مطبوعات جدیدہ

اردو مصدر نامہ۔ مرتبہ جناب مولوی حفیظ الرحمن صاحب واصف تقطیع کلاں کاغذ کتابت وطباعت بہتر صفحات ۲۲۴ قیمت عہ/۱۵ روپے۔ (۱) انجمن ترقی اردو ہند بکڈپو۔ اردو بازار دہلی، سنٹرل بکڈپو۔ اردو بازار دہلی (۲) کتب خانہ رشیدیہ اردو بازار دہلی۔

مولوی حفیظ الرحمن صاحب واصف مہتمم مدرسہ امینیہ دہلی، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی مرحوم کے فرزند اور شعرو سخن کا اچھا ذوق رکھتے ہیں۔ ان کی نشو ونما دلی میں ہوئی ہے۔ اسلئے وہ اردو زبان کے نوک پلک سے اچھی طرح واقف ہیں۔ زیر نظر کتاب میں انھوں نے اردو زبان کے تقریباً تیرہ سو ۱۳۰۰ کثیر الاستعمال مصادر اور ان کے مشتقات وحاصل مصدر جمع کرکے ان کی مختصر تشریح و وضاحت کی ہے۔ تشریح و وضاحت میں اصلی و مجازی معانی اور استعمالات وغیرہ پر گفتگو کی گئی ہے، اور سند میں اساتذہ خصوصاً داغ دہلوی کا کلام اور اردو کے محاورے اور کہاوتیں پیش کی گئی ہیں، شروع میں مصنف کے قلم سے ایک مبسوط مقدمہ ہے، اس میں اردو زبان، اسکے رسم الخط، اسکے الفاظ و اصطلاحات کے متعلق مفید باتیں تحریر کی گئی ہیں۔ اور اردو کی مقبولیت اور اسکے خالص ہندوستانی زبان ہونے کو واضح کیا گیا ہے، اس ضمن میں مغلیہ عہد کے اردو بازار اور اسکے قرب وجوار کے مقامات کا حال بھی تحریر کیا گیا ہے، فارسی کی طرح اردو کے مصادر پر ابھی تک کوئی کتاب مستقل نہیں لکھی گئی تھی، اس کتاب سے یہ کمی پوری ہوگئی، یہ بڑی محنت اور جانفشانی سے لکھی گئی ہے، اور اردو طلبہ اور اساتذہ کی قدر دانی کے لائق ہے۔

"ض"

جلد ۱۱۶ ماہ دسمبر ۱۹۷۵ء مطابق ماہ ذوالحجہ ۱۳۹۵ھ عدد ۶

مضامین

مقالات

استدراک

ادبیات

شذرات

پچیس تیس برس پہلے اردو کے خلاف جو فضا پیدا ہوگئی تھی وہ ابھی ذہن سے فراموش نہ ہوئی ہوگی، اس وقت حالات ایسے تھے کہ عام طور سے یہ یقین کیا جانے لگا تھا کہ بس اس کا آخری وقت آگیا ہے، اور اب ہندوستان میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اس وقت تقسیم ملک کے اثر سے فضا بیحد مسموم تھی، فرقہ وارانہ فسادات نے تلخیوں اور بدگمانیوں میں بہت اضافہ کردیا تھا، حالانکہ اردو کو تقسیم سے کوئی سروکار نہ تھا، وہ نہ اسلام کی زبان تھی نہ مسلمانوں کی، اسلام کا صحیفۂ ربانی عربی میں نازل ہوا تھا، اور مسلمان دنیا کے مختلف حصوں میں مختلف زبانیں بول رہے تھے، خود ہندوستان میں بنگالی مسلمان بنگلہ، پنجابی مسلمان پنجابی، گجراتی مسلمان گجراتی، مہاراشٹر کے مسلمان مرہٹی، تامل ناڈ کے مسلمان تامل، کرناٹک کے مسلمان کنٹری، آندھرا کے مسلمان تلگو، کیرالا کے مسلمان ملیالم، آسام کے مسلمان آسامی، اور کشمیر کے مسلمان کشمیری زبان بول رہے ہیں، لیکن فرنگی ساحروں نے دلوں کو ایسا مسحور اور فرقہ وارانہ ہنگاموں نے دماغوں کو اس قدر مفلوج کردیا تھا کہ اتنی واضح حقیقت بھی سمجھ میں نہیں آتی تھی، اور اردو کو صرف مسلمانوں کی زبان قرار دیا جارہا تھا، حالانکہ اردو کی ساخت اور اسکی تاریخ پکار پکار کر یہ کہہ رہی تھی کہ یہ کسی ایک فرقہ کی نہیں بلکہ تمام ہندوستانیوں کی ایک مشترک زبان ہے، جس کی تشکیل و تعمیر اور ترویج و اشاعت میں ملک کے سبھی علاقوں کے باشندے اور سبھی مذاہب کے پیرو شریک رہے ہیں، اور اب بھی اس سے وابستہ اور اس کی توسیع و ترقی کی جد و جہد میں لگے ہوئے ہیں،

جن لوگوں نے ۱۹۴۷ء اور اس کے آس پاس کا زمانہ دیکھا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ اس وقت تعصب اور فرقہ پرستی کا کیا حال تھا، ہر طرف اتحاد و اتفاق کے بجائے انتشار و افتراق، اور میل و محبت کے بجائے مخالفت و عداوت کا بازار گرم تھا، اس وقت عقل کے بجائے لوگ جذبات کے دھارے میں بہے چلے جارہے تھے، جنون و مدہوشی کا عجیب عالم تھا، کھلے ہوئے حقائق نظر نہیں آتے تھے اور لوگ اندیشہ ہائے دور و دراز میں مبتلا تھے، ایسی فضا میں اردو جو قوموں کے اتحاد کی علامت اور میل ملاپ کی نشانی تھی تفریق کا باعث سمجھی گئی، اور چاروں طرف سے آوازیں آنے لگیں کہ اسے ختم کردو، ورنہ

ملک ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا، ہندوستانی روایات مٹ جائیں گی، اور ہندی تہذیب و تمدن کا خاتمہ ہوجائیگا،

اس مخالفانہ فضا میں کسے یارائے سخن تھا، بپھرے ہوئے مخالفوں کا رام کرنا تو بڑی بات تھی ان سے گفتگو کی جرأت بھی کسی کو نہ ہوتی تھی، اپنی عزت و آبرو اور جان و مال کو کون خطرہ میں ڈالتا، اردو کے علمبرداروں اور حامیوں نے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی ہی میں عافیت سمجھی، یہ وقت بہت نازک تھا، اور ایسا نظر آرہا تھا کہ اس ملک سے اب اردو کا چل چلاؤ ہے، لیکن مایوسی کے اس عالم میں کچھ لوگوں نے ہمت کی، اور صحرا میں صدا لگانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، بظاہر حالات بیحد ناسازگار تھے، مگر ان جیالوں نے امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، اور نہ دیکھنے والوں کو دکھانے اور نہ سمجھنے والوں کو سمجھانے کی جد و جہد میں لگ گئے، آخر ان کی سعی پیہم کامیاب ہوئی، حقیقت کے رخ سے پردے ہٹنے لگے، رفتہ رفتہ صورت حال بدلنے لگی، اردو نے پھر دلوں میں گھر کرنا شروع کیا، اور اسکی اہمیت و افادیت عوام اور حکومت سب ہی کی سمجھ میں آگئی، اور سرکاری اور عوامی دونوں سطحوں پر اس کی ترویج و ترقی کی فکر ہونے لگی،

مرکزی حکومت نے اردو کی ترقی و اشاعت کے لئے اردو بورڈ قائم کیا، اور اس کے لئے ایک خطیر رقم منظور کی، اردو یونیورسٹی کے قیام کی تجویز بھی پیش کی گئی، ریاستوں نے بھی اردو کی طرف توجہ کی، اسکولوں اور کالجوں میں اردو کی تعلیم کے مواقع پیدا کئے گئے، ہزاروں کی تعداد میں اردو اساتذہ کا تقرر کیا گیا، دفتروں اور عدالتوں میں اردو کے داخلہ کی راہیں نکالی گئیں، سرکاری ملازمین کو اردو سیکھنے کی ترغیب دی جانے لگی، ان کے لئے اردو کے امتحانات رائج کئے گئے، اور اردو دانی ان کی صلاحیت کار میں اضافہ کا باعث قرار پائی، اردو کی ترقی کے لئے اردو اکاڈمیاں قائم کی گئیں، اردو اخبارات و رسائل جو مدت سے کس مپرسی میں مبتلا تھے، ان کی جانب بھی توجہ شروع ہوئی، چنانچہ گذشتہ سال لکھنؤ میں مدیران رسائل و اخبارات کا کل ہند اجتماع ہوا، اور ابھی حال میں کلکتہ میں ان کی دوسری کانفرنس ہوئی، حکومت نے ان اجتماعات کی حوصلہ افزائی کی، اور ارباب حکومت نے اپنی تائید و اعانت سے ان کی قوت عمل اور نشاط کار میں اضافہ کیا،

حکومت کی طرف سے تائید و اعانت کا یہ رویہ فال نیک ہے، امید ہے کہ اس توجہ میں مزید اضافہ ہوگا، اور اس کی سرپرستی سے اردو کی نشو و نما میں بہت مدد ملے گی، لیکن محض حکومت پر تکیہ کرلینا کافی نہیں ہے، اردو والوں

کو خود بھی ہاتھ پیر ہلاتے رہنا چاہئے انھیں لوگوں کے دلوں میں یہ خیال جما دینا چاہئے کہ اردو کی ترویج و ترقی کے لئے جدوجہد ان کا فرض ہے، ان کے بجٹ میں دوسری مدوں کے ساتھ اردو کی بھی ایک مد ہونا چاہئے آج حال یہ ہے کہ فضول و لاحاصل تفریحات اور بیجا تعیشات پر دھڑلے سے خرچ کرتے ہیں، مگر اردو کے کسی رسالہ یا کتاب کا خریدنا پہاڑ سمجھتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اردو کے اخبارات و رسائل سسک رہے ہیں کتنے کس مپرسی میں مبتلا ہیں، ادارۂ اشاعت دم توڑ رہے ہیں، یہ صورتِ حال باعثِ افسوس ہے، دوسروں کی شکایت کا موقع ہوتا ہے تو ہم بڑھ چڑھ کر باتیں کرتے ہیں، لیکن اپنے گریبان میں منھ ڈال کر بھی دیکھنا چاہئے کہ اردو کے ساتھ خود ہمارا رویہ کیا ہے۔

ابھی یہ سطور تمام نہیں ہوئی تھیں کہ پروفیسر سید مسعود حسن کی وفات کی اطلاع ملی، افسوس ہے کہ اردو کے پرانے خدمتگزار اٹھتے جا رہے ہیں، اور کوئی اُن کی جگہ لینے والا نظر نہیں آتا ہے، مسعود صاحب نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف دونوں میدانوں میں بڑا قابلِ قدر کام کیا ہے، وہ صاحبِ زبان بھی تھے اور صاحبِ قلم بھی، وہ بات کرتے تو ادب کے پھول جھڑتے، درس دیتے تو طلبہ اُن کے علم سے مرعوب اور حسنِ بیان سے مسحور ہو جاتے، اور قلم ہاتھ میں لیتے تو تحقیق کے موتیوں سے کاغذ کا دامن بھر دیتے، وہ سرسری مضمون نویسی کے عادی نہ تھے، لکھنے سے پہلے موضوع کے تمام پہلوؤں پر غور کرتے، سارا مواد جمع کرتے اور پوری چھان بین کے بعد قلم ہاتھ میں لیتے، اور پھر تحقیق کا شاہکار پیش کرتے، ممکن ہے اُن کے نتائجِ تحقیق سے کسی کو اختلاف ہو مگر اُن کی وسعتِ علم، دقتِ نظر اور تلاش و تفحص سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا، وفورِ علم کے ساتھ وہ بڑے خلیق، وضعدار اور بامروت تھے، ہر مذہب و ملت کے لوگوں سے اُن کے تعلقات تھے، یہی وجہ تھی کہ سب اُن کے غم میں اشکبار تھے، وہ شیعہ تھے، مگر سنیوں میں بھی اتنے مقبول تھے کہ فرنگی محل کے نامور عالم مولانا محمد ہاشم کی امامت میں سنیوں نے بھی جنازہ کی نماز پڑھی، اللہ اُن کی نیکیوں کو قبول فرمائے، اور اُن کے عزیزوں اور شاگردوں کو اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

......

مقالات

بناتِ اسلام کی علمی و دینی خدمات

از جناب مولانا قاضی اطہر مبارکپوری، اڈیٹر البلاغ بمبئی

اسلام اور مسلمانوں کے خاص معاملات میں یہ سنتِ الٰہیہ ہمیشہ جاری رہی کہ جس دور میں جس قسم کے علوم و فنون اور علماء و فضلاء کی ضرورت ہوئی، اس میں مردوں کے علاوہ عورتوں کی ایک بڑی تعداد نے بھی پورے نشاط و انبساط کے ساتھ نمایاں خدمات انجام دیں۔

پہلی اور دوسری صدی ہجری میں پورے عالمِ اسلام میں احادیث و آثار کی روایت و تدوین کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور دینی ضرورت کے پیشِ نظر ان کے ساتھ خصوصی اعتنا کیا گیا تو گھر کے باہر کی طرح گھر کے اندر بھی احادیث و آثار کو تلاش کر کے مدون و مرتب کیا گیا، صحابیات و تابعیات اور دیگر بناتِ اسلام نے اپنے خاندانوں کی بڑی بوڑھیوں سے احادیث کی روایت کر کے گھر کے مردوں تک یہ امانت پہونچائی، جن خواتینِ اسلام کے پاس احادیث کے مجموعے تھے، ان کا پتہ چلا کر وہ مجموعے حاصل کئے گئے، چنانچہ حضرت عمرہ بنت عبد الرحمٰنؓ انصاریہ مدنیہؓ کے مجموعۂ احادیث کے بارے میں حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے حضرت ابوبکر بن محمد بن حزم کو خاص طور سے تاکید کی کہ وہ اسے حاصل کر لیں[1]۔ اور جن کے پاس حدیثیں محفوظ تھیں انھوں نے اپنے خاندان کے لوگوں سے

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸، ص ۳۸۰،

ان کی روایت کی، یہی حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہ مدنیہ ہیں جنھوں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ، اپنی بہن ام ہشام، حبیبہ بنت سہل، ام حبیبہ اور حمنہ بنت جحش سے احادیث کی روایت کی تھی، اور ان سے ان کے صاحبزادے ابوالرجال، بھائی محمد بن عبدالرحمٰن، پوتے حارثہ بن ابوالرجال، دونوں بھتیجے یحییٰ بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن، اور ابوبکر بن محمد بن عبدالرحمٰن، اور ان کے بیٹے عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عبداللہ نے روایت کی۔

امام حسن بصری کی والدہ خیرہ نے اپنی مولاۃ و مالکہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے روایت کی، اور ان سے ان کے دو صاحبزادوں یعنی حسن بصری اور سعید بصری نے روایت کی۔ صفیہ بنت علیہ عنبریہ نے اپنے دادا حرملہ بن عبداللہ عنبری، اور دادی قیلہ بنت مخرمہ سے روایت کی، اور ان سے ان کے پوتے عبداللہ بن حسان عنبری نے روایت کی۔

رائطہ بنت مسلم نے اپنے والد مسلم سے اور ان سے ان کے بیٹے عبداللہ بن حارث ابتری مکی نے روایت کی، فاطمہ بنت حسین بن علی ہاشمیہ مدنیہ نے اپنے والد ماجد حضرت حسینؓ، بھائی علی بن حسین (زین العابدین) پھوپھی حضرت زینب بنت حضرت علیؓ اور دادی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہم سے روایت کی، اور ان سے ان کی اولاد میں سے عبداللہ، ابراہیم اور ام جعفر نے روایت کی۔

ام یحییٰ حمیدہ بنت عبید بن رفاعہ انصاریہ مدنیہ نے اپنی خالہ کبشہ بنت کعب بن مالک سے، اور ان سے ان کے شوہر اسحاق بن عبداللہ بن ابوطلحہ اور بیٹے یحییٰ بن اسحاق نے روایت کی، حکیمہ بنت امیمہ نے اپنی والدہ امیمہ بنت رقیقہ سے اور ان سے ان کے گھر کے افراد نے روایت کی، اسماء بنت یزید قیسیہ بصریہ نے اپنے چچازاد بھائی انس سے روایت کی،

حبیبہ بنت میسرہ سے ان کے غلام عطاء بن ابورباح نے روایت کی۔

حکیمہ بنت امیہ بن اخنس نے حضرت ام سلمہؓ سے، اور ان سے ان کے بیٹے یحییٰ بن ابوسفیان اخنسی نے روایت کی۔

ام الرائع رباب بنت صلیع ضبیہ بصریہ نے اپنے چچا سلمان بن عامر ضبی سے اور ان سے حفصہ بنت سیرین نے روایت کی۔

کبشہ بنت ابوبکرہ ثقفیہ بصریہ نے اپنے چچا سے اور ان سے ان کے بھتیجے بکار بن عبدالعزیز بن ابوبکرہ نے روایت کی۔[1]

ام مکیہ آمنہ بنت عثمان بن حسن عذریہ مکیہ نے اپنے شوہر شیخ ابوالعباس قسطلانی اور بیٹے امین الدین قسطلانی کو اپنی مرویات کی اجازت دی۔[2]

ام عبدالرحمٰن جرجانیہ سے ان کے شوہر شیخ محمد بن علی جرجانی نے روایت کی۔[3]

ام عمر بنت حسان بغدادیہ نے اپنے والد ابوالغصن حسان بن زید، اور شوہر سعید بن یحییٰ ابن قیس سے احادیث کی روایت کی۔[4] خدیجہ بنت قاضی شہاب الدین احمد مکیہ نے اپنی نانی حسنہ بنت محمد بن کامل سے احادیث کا سماع کیا۔[5] زینب بنت عبدالرحمٰن عجلیہ جرجانیہ اپنے دادا شیخ محمد بن معروف جرجانی کے مجموعۂ مرویات کی روایت کیا کرتی تھیں۔[6] ان چند مثالوں سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ صدر اول اور بعد کے ادوار میں بنات اسلام کے ذریعہ خاندانی احادیث و آثار کی ترویج و اشاعت کس طرح ہوئی ہے، درحقیقت ان راویات و محدثات نے اپنے گھروں کو دارالحدیث اور دارالعلم بنا رکھا تھا،

تحصیل حدیث کے لیے سفر | احادیث رسول کی تلاش و طلب میں محدثین نے عالم اسلام کی خاک

۱ ان راویات و محدثات کے تذکرے تہذیب التہذیب ج ۱۲ میں ملاحظہ ہوں۔ ۲ العقد الثمین ج ۸ ص ۲۲ [illegible] تاریخ البلد الامین فاسی ج ۸ ص ۲۰۴، ۳ تاریخ جرجان سہمی ص ۴۰۰ ۴ تاریخ بغداد خطیب ج ۱۴ ص ۴۳۳ ۵ العقد الثمین ج ۸ ص ۲۰۶ ۶ تاریخ جرجان ص ۲۲۳

چھائی ہے، اور طلبۂ حدیث کے قدموں سے اسلامی بلاد و امصار کو بڑی خیر و برکت ملی ہے اور ان سے نوائب و مصائب دور کیے گئے ہیں، ابتدائی ادوار میں یہ دینی و علمی اسفار و رحلات عام طور سے احادیث و آثار کی روایت اور ان کی تدوین کے لیے ہوا کرتے تھے بعد میں سند عالی کی طلب بھی ان اسفار کا سبب بن گئی، حدیث کی تحصیل کے لیے محدثین و رواۃ کی طرح محدثات و راویات نے بھی گھر بار چھوڑ کر دور دراز ملکوں کا سفر کیا ہے اور اپنی صنفی حیثیت و صلاحیت کے مطابق غربت و بے وطنی کی زندگی بسر کر کے علم دین کی تحصیل کی ہے۔ ام حسین جمعہ بنت احمد محمیہ نے اپنے وطن نیساپور سے بغداد کا سفر کر کے یہاں کے شیوخ و محدثین سے روایت کی، چنانچہ ۳۹۶ھ میں شیخ ابوالحسین محمد بن محمد شروطی بغدادی نے ان سے بغداد میں روایت کر کے ان کی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔[1]

ام علی نعمیہ بنت ابوالفرج غیث بن علی صوریہ بغدادیہ نے بغداد سے مصر جاکر مدتوں قیام کیا اور اسکندریہ میں امام ابوطاہر احمد بن محمد سلفی سے اکتساب علم کیا۔[2]

زینب بنت برہان الدین ابراہیم بن احمد اربلیہ کی ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی ہوش سنبھالنے کے بعد انھوں نے اپنے چچا کے ساتھ بلاد عجم کا سفر کیا اور تیس سال کے بعد مکہ مکرمہ واپس آئیں۔[3]

زلیخا بنت الیاس الواعظ شہر غزنین کی رہنے والی تھیں، یہاں سے مکہ مکرمہ گئیں اور علماء و محدثین سے روایت کر کے کئی سال تک حرم محترم کی مجاورت کے بعد فارس کے شہر سادہ چلی گئیں، اس سفر و اقامت میں زلیخا الواعظ نے حرم میں روایت اور عبادت دونوں نعمتیں حاصل کیں۔[4]

[1] تاریخ بغداد ج ۱۴، ص ۴۴۴، [2] ابن خلکان ج ۱، ص ۱۰۳، [3] العقد الثمین ج ۸، ص ۲۲۴، [4] ایضاً ص ۲۳۶

ام احمد فاطمہ بنت نفیس الدین محمد بن حسین ملک شام کے شہر حماہ کی رہنے والی تھیں، انھوں نے یہاں سے مصر اور طرابلس کا سفر کر کے اپنے چچا سے روایت کی۔[1]

ام محمد زینب بنت احمد بن عمر کا وطن بیت المقدس تھا، امام ذہبی نے ان کو "المعمرۃ الرحلۃ" کے القاب سے یاد کیا ہے، کیونکہ دور دراز ملکوں کا سفر کر کے تحصیل علم اور حدیث کی روایت میں مشہور تھیں، اسی وجہ سے بعد میں دور دراز ملکوں کے طلبۂ حدیث ان سے روایت کرتے تھے۔[2]

حرمین شریفین کا سفر اہل علم اور محدثین کے لیے بڑا پرکشش ہوتا تھا، فریضۂ حج کی ادائیگی کے ساتھ مقامی اور بیرونی علماء سے ملاقات و استفادہ اور روایت کا موقع ملتا تھا، بلکہ کتنے محدثین اس نیت سے حج و زیارت کا سفر کرتے تھے کہ حرمین شریفین کے فلاں عالم سے روایت و درایت کی سعادت حاصل ہوگی، اس بارے میں بھی علماء و محدثین کی طرح عالمات و محدثات نمایاں مقام رکھتی تھیں، اور وہ بھی حرمین شریفین میں اقامت و مجاورت کر کے عبادت کے ساتھ افادہ و استفادہ کا بازار گرم کرتی تھیں، چنانچہ اسماء بنت محمد بن سالم نے بار بار حرمین شریفین میں حاضری دی اور یہاں کے علماء سے استفادہ کیا۔[3]

کریمہ بنت احمد مروزیہ، خراسان کے مشہور شہر مرو کی رہنے والی تھیں، انھوں نے مستقل طور سے مکہ مکرمہ میں اقامت و مجاورت اختیار کر کے ایک زمانہ تک حدیث کا درس دیا، خطیب بغدادی نے مکہ مکرمہ ہی میں ان سے پانچ دن میں صحیح بخاری پڑھکر روایت کی، نیز امام سمعانی، ابن المطلب اور ابوطالب زینبی جیسے ائمۂ حدیث نے

[1] ذیل العبر ذہبی ص ۸۹۔ [2] ،، ص ۱۲۷۔ [3] ،، ص ۱۸۰

ان سے صحیح بخاری کی روایت کی۔[1]

بہت سی محدثات و راویات کسی مشہور امام حدیث اور شیخ وقت سے سماع و روایت کے لیے سفر کرکے ان کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں، چنانچہ ام محمد ہدیہ بنت علی بن عسکر ہراس مقدسیہ نے امام زبیدی سے روایت کے لیے ان کے وطن کا سفر کیا۔[2] امۃ الرحمٰن ست الفقہاء بنت شیخ تقی الدین صرف جزء ابن عرفہ کے سماع کے لیے شیخ عبدالحق کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔[3] عائشہ بنت محمد حرانیہ نے امام زین الدین عراقی اور امام نجی سے روایت کے لیے ان دونوں حضرات کی درسگاہ کا سفر کیا، عائشہ بنت معمر اصفہانیہ نے محدثہ فاطمہ جوزدانیہ کی خدمت میں حاضری دی،

ست العرب بنت یحییٰ دمشقیہ نے امام ابنا طبرزد کی درسگاہ میں پہونچکر کتاب الغیلانیات کا سماع کیا، اسی طرح مریم بنت احمد بعلبکیہ نے شیخ بہاء الدین اور ام محمد شہدہ بنت کمال الدین نے شیخ کاشغری کے یہاں جاکر روایت کی۔[4]

عام طور سے ان تعلیمی اسفار میں طالبات کی صنفی حیثیت و ضرورت کا پورا خیال رکھا جاتا تھا، اور ان کی راحت و حفاظت کا پورا اہتمام ہوتا تھا، خاندان اور رشتہ کے ذمہ دار ان کے ساتھ ہوتے تھے، امام سہمی نے تاریخ جرجان میں فاطمہ بنت ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن طلقی جرجانی کے حال میں لکھا ہے کہ میں نے فاطمہ کو اس زمانہ میں دیکھا ہے کہ جب ان کے والد ان کو اٹھا کر امام ابواحمد بن عدی جرجانی کی خدمت میں لیجاتے تھے اور وہ ان سے حدیث کا سماع کرتی تھیں۔[5]

---

[1] العبر فی خبر من غبر ذہبی ج ۳ ص ۲۸۵ [2] ذیل العبر ذہبی ص ۰۰ [3] ایضاً ص ۱۴۷
[4] ذیل العبر وغیرہ [5] تاریخ جرجان ص ۴۶۳

فاطمہ بنت محمد بن علی لخمیہ اندلس کے مشہور محدث ابو محمد باجی اشبیلی کی بہن تھیں، انھوں نے اپنے بھائی ابو محمد باجی کے ساتھ رہکر طالب علمی کی، اور دونوں نے ایک ساتھ بعض شیوخ و اساتذہ سے حدیث کی روایت کی اور اجازت لی۔[1] ام محمد فاطمہ بنت عبدالرحمٰن بن ابو صالح بغداد میں پیدا ہوئیں، اور بچپن ہی میں بغداد سے مصر لیجائی گئیں جہاں انھوں نے اپنے والد اور دیگر شیوخ سے حدیث کا سماع کیا۔[2] شمس الضحیٰ بنت محمد بن عبدالجلیل عالمہ فاضلہ اور عابدہ، زاہدہ خاتون تھیں، انھوں نے شیخ الطریقت شیخ ابوالنجیب سہروردی کی خدمت میں رہ کر زہد و تصوف کی تلقین و تربیت پائی، اور ان کے ساتھ دیگر محدثین سے حدیث کا سماع کیا۔

محدثین کی طرف سے محدثات کو اجازت،

طالبات و عالمات کے علمی اور دینی ذوق و شوق اور ان کی سفری مشکلات کے پیش نظر بہت سے شیوخ و اساتذہ نے ان کو اپنی طرف سے حدیث کی روایت کی اجازت دیدی ہے، محدثین کے نزدیک اجازت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ شیخ اپنے سماع و روایت کے اصل نسخہ یا اس سے مقابلہ کئے ہوئے نسخہ کو یہ لکھکر اپنے تلمیذ کو دے کہ ھذا سماعی او روایتی عن فلان فاروہ عنی او اجزت لک روایتہ یعنی یہ فلاں محدث اور شیخ سے میری مسموع یا مروی احادیث ہیں تم ان کو میری طرف سے روایت کرو، یا میں نے تم کو اپنی طرف سے ان کی روایت کی اجازت دی، بسا اوقات کسی ملک اور شہر کے طالب علم اور محدث کو دوسرے ملک اور شہر کے شیوخ تحریری اجازت دیتے ہیں، اور جن کو اجازت دی جاتی ہے وہ اپنے شیخ کے تلمیذ اور شاگرد مانے جاتے ہیں، بہت سے محدثین نے اس طرح روایت کی اجازت دیکر محدثات و راویات

---

[1] بغیۃ الملتمس ص ۵۳۱ [2] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۴۴۱ [3] العقد الثمین ج ۸ ص ۲۶۶

کو اپنی شاگردی میں لیا ہے، محدثات کے تذکرہ میں، اجاز لہا فلانٌ ولہا اجازۃ عن فلانٍ وغیرہ کے الفاظ اسی کے لیے استعمال کئے جاتے ہیں، نیز بہت سی محدثات نے مردوں کو اسی طرح اپنی طرف سے حدیث کی روایت کی اجازت دی ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

محدثات کو محدثین کی طرف سے اجازت بالروایۃ کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں، شیخ صدر الدین تو اس کی صاحبزادی ام محمد عائشہ دمشقیہ کو ابو القاسم بن قمیرہ، ابن مسلمہ، مکی بن علوان، بہاء الدین زہیر، ابن زیلاق، ابن دفترخوان، سلیمانی، اور نور بن سعید نے اپنی مرویات کی اجازت دی،[1] ام کمال عائشہ بنت قاضی شہاب الدین احمد بن ظہیرہ کو محمد بن علی قسطلانی، محمد بن یعقوب بن رصاص، قاضی ناصر الدین محمد بن محمد تونسی مالکی، ابو الحرم محمد بن محمد قلانسی کے علاوہ اور بہت سے محدثین نے اپنی مرویات کی اجازت دی،[2] ام الہدیٰ عائشہ بنت خطیب تقی الدین طبریہ مکیہ کو ان کے دادا محب الدین طبری، والد خطیب تقی الدین طبری، چچا قاضی جمال الدین طبری کے علاوہ رضی الدین بن خلیل، اور ان کے بھائی علم الدین بن خلیل وغیرہ نے اجازت دی،[3] ام ابراہیم فاطمہ بنت خطیب عز الدین ابراہیم بن عبد اللہ مشہور محدث ابراہیم ابن خلیل کی سب سے آخری شاگرد تھیں، اسی طرح وہ محمد بن عبد القادر، ابن سروری، ابن عوۃ اور خطیب مردا سے روایت بالاجازۃ کرنے والوں میں سب سے آخری شاگرد تھیں،[4] عجیبہ بنت محمد باقداریہ بغدادیہ اپنے شیوخ حدیث مسعود اور رستمی وغیرہ سے روایت بالاجازہ میں سب سے آخری تلمیذہ تھیں،[5]

---

[1] العقد الثمین ج ۸ ص ۲۲۶۔ [2] العقد الثمین ج ۸ ص ۲۷۱ [3] ایضاً ص ۲۷۸،

[4] ذیل العبر حسینی ص ۲۵۹، [5] العبر ج ۵ ص ۱۹۲،

ام الخیر جویریہ بنت قاضی زین الدین طبریہ مکیہ کو مختلف بلاد وامصار کے علماء محدثین نے اپنی مرویات کی اجازت سے نوازا تھا، مصر سے محمد بن قماح، ابن عالی، دمیاطی، ابن کشتغدی، ابن اسعردی، احمد بن علی مشتولی، اور دیگر شیوخ نے اور دمشق سے احمد بن علی جزری اور بہت سے محدثین نے اجازت دی، زینب بن ضیاء الدین محمد بن عمر قسطلانیہ مکیہ کو بغداد سے ابراہیم بن خیر الدین ابو جعفر بن سعید، فضل اللہ بن عبد الرزاق جیلی، اور امام رضی الدین حسن صغانی لاہوری نے تحریری اجازت روانہ کی، ست الکل بنت امام رضی الدین کو مصر کے محدثین کی ایک جماعت نے اجازت دی، جس میں سیدہ بنت موسیٰ بن عثمان اور درباس مارانی خاص طور سے قابل ذکر ہیں، ام الحسن ست الکل بنت احمد قبیہ کو مصر سے یحییٰ بن یوسف مصری، محمد بن غالی دمیاطی، احمد بن علی مشتولی، ابو نعیم اسعردی، قاضی شرف الدین بن قماح، عائشہ بنت عمر صنہاجیہ وغیرہ نے، اور دمشق سے ابوبکر رضی الدین، زینب بنت کمال الدین، اور دوسرے محدثین نے اجازت دی، دمشق کی اجازت ست الکل کی خالہ زاد بھائی کے ذریعہ آئی تھی،[1]

ام المؤید زینب بنت ابو القاسم عبد الرحمٰن نیساپوریہ کے بارے میں ابن خلکان نے لکھا ہے کہ وہ زبردست عالمہ تھیں، انھوں نے علماء کی ایک جماعت سے روایۃً اور اجازۃً علم حدیث حاصل کیا تھا، ان کو اجازت دینے والے اعیان علماء میں حافظ ابو الحسن عبد الغافر بن اسمٰعیل فارسی اور علامہ محمود بن عمر زمخشری صاحب کشاف جیسے حفاظ وسادات شامل ہیں،[2] صفیہ بنت عبد الوہاب قرشیہ محدثۂ وقت تھیں، حالانکہ انھوں نے کسی شیخ اور محدث سے سماع وروایت نہیں کی تھی، بلکہ ان کو محدث مسعود ثقفی

---

[1] ان کے لئے العقد الثمین ج ۱۲ ملاحظہ ہو [2] ابن خلکان ج ۱ ص ۲۱۶،

اور دیگر محدثین کبار نے روایت کی اجازت دی تھی،[1]

مُسندات محدثات میں بہت سی بڑے پایہ کی عالمات و فاضلات گذری ہیں، جو اسناد حدیث میں ایسا ممتاز مقام و مرتبہ رکھتی تھیں کہ علماء و محدثین نے ان سے سند لی، ان میں سے چند مسندات یہ ہیں۔

مسندۃ الشام

ام محمد اسماء بنت محمد بن سالم بن ابو مواہب، ام محمد فاطمہ بنت ابراہیم بن محمود بعلبکیہ ام عبداللہ زینب بنت احمد بن عبدالرحیم قدسیہ (مسندۃ الشام) کریمہ بنت عبدالوہاب بن علی بن خضر قرشیہ زبیریہ (مسندۃ الملکہ) فاطمہ بنت احمد بن قاسم حرازیہ (مسندۃ مکہ وقت) ست الوزراء بنت عمر بن اسعد بن منجا تنوخیہ

علمی و دینی القاب وخطابات علماء و محدثین کی طرح عالمات و محدثات بھی بڑے بڑے علمی و دینی القاب وخطابات سے نوازی گئی ہیں، ذیل میں ان چند بناتِ اسلام کے القاب درج کئے جاتے ہیں جو اقلیم علم کی ملکہ ہیں، اور اسلمانوں نے ان کی علمی و دینی قیادت و امامت کو تسلیم کیا ہے، (ست بمعنی سیدہ ہے)

ست الاجناس	موفقیہ بنت عبدالوہاب بن عتیق بن وردان مصریہ،
ست الاھل	ام احمد بنت علوان بن سعید بعلبکیہ،
ست الشام	خاتون اخت الملک العادل،
ست العرب	ام الخیر بنت یحیی بن قائماز کندیہ دمشقیہ،
ست الفقہاء	شریفہ بنت خطیب شرف الدین احمد بن محمد دمشقیہ،
ست الفقہاء	امۃ الرحمن بنت تقی الدین ابراہیم بن علی واسطیہ صالحیہ،

---

[1] العبر ج ۵ ص ۱۸۸

ست الکل عائشہ بنت محمد بن احمد بن علی تلیبیہ۔ ست الکل۔ بنت امام رضی الدین ابراہیم بن محمد طبریہ مکیہ، ست الکل۔ بنت احمد بن محمد مکیہ، ست الملوک فاطمہ بنت علی بن علی بن ابو بدر بغدادیہ، ست الناس۔ کمالیہ بنت احمد بن عبدالقادر دمرادیہ، ست الوزراء۔ بنت عمر بن اسعد تنوخیہ تاج النساء بنت رستم بن ابورجا بن محمد اصفہانیہ، شرف النساء امۃ اللہ بنت احمد بن عبداللہ بن علی آبنوسیہ فخر النساء شہدہ بنت احمد ابن عمر ابریۃ بغدادیہ، زین الدار۔ وجیہہ بنت علی بن یحیی انصاریہ بوصیریہ شیخۃ الدیار۔ ام خلیل۔ حُرّہ۔ ام المؤید زینب بنت ابو القاسم عبدالرحمن شعریہ نیشاپوریہ، جلیلہ۔ ام عمر خدیجہ بنت عمر بن احمد بن عدیم، معلمۃ۔ عالمیہ بنت محمد اندلسیہ۔ شیخہ۔ ام عبداللہ حبیبہ بنت خطیب عز الدین ابراہیم مقدسیہ شیخہ۔ ام زینب فاطمہ بنت عباس بغدادیہ، شیخہ۔ ام الفضل صفیہ بنت ابراہیم بن احمد مکیہ، شیخہ۔ ام احمد زینب بنت مکی بن علی کامل حرانیہ،

سند عالی۔ احادیث کی روایت میں سند عالی کو بڑی اہمیت حاصل ہے، علوے سند کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً کسی سند میں رواۃ حدیث دوسری سند سے کم ہوں جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلۂ روایت مختصر اور قریب ہو، یا کسی امام سے قربت ہو، یا کسی کتاب کی روایت میں قربت ہو، محدثین نے اس فضیلت و خصوصیت کے لئے دور دراز علاقوں کا سفر کیا ہے، سند عالی رکھنے والے محدثین کی درسگاہ میں طلبۂ حدیث کا ہجوم رہا کرتا تھا، ان ہی کی طرح بہت سی محدثات نے بھی سند عالی کی فضیلت حاصل کی اور ان کے در پر بھی طلبۂ حدیث جوق درجوق آئے، فاطمہ بنت دقاق کے بارے میں

امام ذہبی نے لکھا ہے۔

كانت كبيرة القدر، عالية الإسناد، من عوابد زمانها۔[1] — وہ بڑی قدر و منزلت کی مالکہ تھیں، اور ان کی اسناد عالی تھیں۔ اپنے زمانہ میں عابدات میں ممتاز حیثیت رکھتی تھیں۔

اور ام المؤید زینب شعریہ نیشاپوریہ کے متعلق تصریح کی ہے،

وانقطع بموتها اسناد عال۔[2] — ان کے انتقال سے سند عالی کا سلسلہ منقطع ہو گیا،

ام محمد زینب بنت احمد بن عمر مقدسیہ مسند دارمی، مسند عبد بن حمید، اور کتاب الثقفیات کی سند عالی میں منفرد تھیں، اس لئے طلبۂ حدیث نے ان کتابوں کی روایت کے لیے انکی درسگاہ کا سفر کیا، اور دور دور سے حاضر ہو کر ان سے سند حاصل کی انھوں نے خود نیشاپور سے مصر اور مدینہ منورہ آکر ان کتابوں کی روایت کی تھی۔

احادیث یا کتب احادیث میں منفردات، محدثین کی طرح محدثات بھی بعض احادیث یا کتب احادیث کی روایت میں اپنے زمانہ میں منفرد ہوتی تھیں، اور دوسرے معاصرین و معاصرات کے یہاں ان کی روایت نہیں تھی اس تفرد اور خصوصیت کی وجہ سے طلبۂ حدیث نے ان محدثات و شیخات سے خاص طور سے روایت کی، مسندۃ الشام ام عبد اللہ زینب بنت کمال الدین مقدسیہ کا شمار ایسی محدثات میں تھا، ام محمد اسماء بنت محمد بن سالم کو بھی تفرد کی فضیلت حاصل تھی، امۃ الحق بنت حافظ ابو علی حسن بن محمد بکریہ کے بارے میں العبر میں ہے،

وتفردت بعدة اجزاء۔[3] — وہ احادیث کے چند اجزاء کی روایت میں منفرد تھیں،

اور صفیہ بنت عبد الوہاب قرشیہ کے متعلق لکھا ہے۔

[1] العبر ج ۳ ص ۲۹۶ [2] ۔۔ ۔۔ ص ۵۶ [3] ۔۔ ۔۔ ص ۳۵۲

تفردت فی زمانها۔[1] — وہ بہت سی احادیث کی روایت میں اپنے زمانہ میں تنہا تھیں۔

زینب بنت خطیب یحیی بن عز الدین مسلمیہ کے حال میں ہے۔

روت الكثير، وتفردت — اور انھوں نے بہت زیادہ روایت کی اور تفرد رکھتی تھیں،

زینب بنت سلیمان اسعردیہ کے متعلق لکھا ہے۔

تفردت باشياء — کچھ احادیث کی روایت میں منفرد تھیں،

زینب بنت عبد اللہ بن رضی الدین کو بھی یہ شرف حاصل تھا۔

تفردت باجزاء — چند اجزاء حدیث کی روایت میں وہ بھی منفرد تھیں،

ام الفضل بی بی بنت عبد الصمد ہرثمیہ ہرویہ کے پاس احادیث کا ایک جزو (مختصر سا مجموعہ) تھا، جو ان ہی کی نسبت سے مشہور تھا، انھوں نے اس کی روایت عبد الرحمن بن ابو شریح سے کی تھی۔

خاتمۃ الاصحاب، شیوخ و محدثین کے اصحاب و تلامذہ میں جو آخری شاگرد ہوتا ہے، یا ان میں جو سب سے آخر تک زندہ رہتا ہے، وہ خاتمۃ الاصحاب ہوتا ہے، ایسے محدث سے بھی سند عالی ملتی ہے، اس لئے طلبۂ حدیث اس سے روایت کرتے ہیں، اس خصوصیت کی وجہ سے وہ مرجع ہوتا ہے، محدثات میں بھی ایسی خاتمۃ الاصحاب ہوئی ہیں۔

فاطمہ بنت خطیب عز الدین ابراہیم مقدسیہ، شیخ ابراہیم بن خلیل کی خاتمۃ الاصحاب ہیں یعنی ان کے بعد کسی نے شیخ ابراہیم سے روایت نہیں کی، نیز وہ ۔۔ بن عبد القادر، ابن سری،

[1] العبر ج ۳ ص ۱۸۹ [2] ایضاً ص ۲۰۷۔

ابن عوۃ، اور خطیب مَرداسے اجازۃً روایت کرنے والوں میں آخری شاگرد ہیں، عجیبہ باقداریہ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ وہ مسعود ثقفی، رستمی، اور محدثین کی ایک جماعت سے روایت بالاجازہ کرنے والوں میں آخری شاگرد ہیں، ام ہانی عفیفہ بنت احمد فارقانیہ اصفہانیہ نے امام ابونعیم اصفہانی کے شاگرد عبدالواحد الاشیخ سے سب سے آخر میں روایت کی ہے، اور وہ ان کی خاتمۃ الاصحاب میں، مشہور محدث ابوالغنائم مسلم بن احمد مازنی دمشقی سے سب سے آخر میں روایت کرنے والے دو ہیں، ایک فاطمہ بنت سلیمان، دوسرے ابوالفتوح اغماتی اسکندرانی،

تحدیث و روایت اور اسکے طریقے، محدثات اسلام جس طرح طلب علم میں سفر ہو یا حضر شرعی احکام کی پابندی اور اپنے صنفی تقاضوں کا پورا خیال رکھکر شریعت و نسوانیت کی حدود میں رہیں اُسی طرح حدیث کی تدریس و روایت میں ذمہ دارانہ طور و طریقہ اختیار کیا اور کسی حال میں اپنی حد سے باہر نہیں ہوئیں، خاص طور سے حجاب اور پردہ کے بارے میں انکا رویہ بہت سخت رہا، عاصم بن سلیمان الاحول کا بیان ہے کہ لوگ حفصہ بنت سیرین کی خدمت میں حاضر ہوتے تو وہ اپنی چادر کو سنبھال کر چہرہ پر نقاب ڈال لیتی تھیں، ہم ان سے عرض کرتے تھے، کہ آپ یہ تکلفات کیوں کر رہی ہیں، آپ جیسی عمر رسیدہ خواتین کے بارے میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے،

والقواعد من النساء اللاتی	جو بڑی بوڑھی عورتیں گھروں میں بیٹھنے
لا یرجون نکاحًا فلیس علیھن	والی ہیں جن کو توقع نہیں رہی نکاح کی،
جناحٌ ان یضعن ثیابھنّ	ان پر گناہ نہیں ہے کہ اتار دیں اپنے کپڑے
غیر متبرجات بزینۃ	بشرطیکہ اپنی زیب و زینت ظاہر کرنے والی نہ ہوں۔

تو وہ ہم سے روایت کرتی تھیں کہ اس آیت کے بعد کیا فرمایا گیا ہے؟ اور خود ہی ہم یہ آیت سناتے تھے،

وان یستعففن خیرٌ لھن	اور اگر وہ اس سے بچیں تو ان کے حق میں بہتر ہے۔

اس پر کہتی تھیں کہ چادر اوڑھ لینے میں یہی بات ہے۔[1]

بعض عالمات و فاضلات شرعی احکام سے فائدہ اٹھا کر شرعی حدود کے ساتھ بے نقاب بھی علمائ و فضلاء کے سامنے آتی تھیں، اور ان سے علمی و دینی موضوعات پر گفتگو کرتی تھیں چنانچہ عُلیہ بنت حسان البصریہ بنو شیبان کی مولاۃ یعنی باندی تھیں، وہ علم و فضل میں اتنا بلند مقام رکھتی تھیں کہ بصرہ کے علماء و مشائخ اور فقہاء ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور وہ کھل کر ان سے بات چیت کرتی تھیں، طبقات ابن سعد میں ہے۔

وکانت امرأۃً نبیلۃً	عُلیہ بنت حسان بڑی شان و شوکت
عاقلۃً برزۃً لھا دار	کی عقلمند اور نمایاں حیثیت کی عورت
بالعوقۃ تعرف بھا وکان	تھیں، بصرہ کے محلہ عوقہ میں ان کا
صالح المُری وغیرہ من	مکان ان ہی کے نام سے مشہور تھا،
وجوہ البصرۃ وفقھائھا	حضرت مُری اور بصرہ کے دوسرے
ید خلون علیھا فتبرز لھم	اعیان و فقہاء ان کے یہاں جایا
وتحادثھم وتسائلھم[2]	کرتے تھے، اور وہ ان کے سامنے آکر گفتگو اور سوال و جواب کیا کرتی تھیں،

[1] صفۃ الصفوۃ ج ۴ ص ۱۵ [2] طبقات ابن سعد ج ۸، ص ۳۲۵۔

محدثات نے اپنی حدود میں رہتے ہوئے جس طرح اپنے اساتذہ وشیوخ سے سماعاً قراءۃً اجازۃً حدیث کی روایت کی ہے، اسی طرح خود بھی ان ہی طرق سے دوسروں کو حدیث کا درس دیا، اور روایت کا جو طریقہ حسب موقع رہا اسی کے مطابق روایت کی، چنانچہ ائمۂ حدیث اور حفاظ حدیث نے ان سے بھی سماعاً، قراءۃً اور اجازۃً استفادہ کیا۔

سماع یعنی استاد اپنے شاگرد کو احادیث سنائے اور شاگرد سنے بناتِ اسلام نے یہ طریقہ اپنے اعزہ و اقارب اور خاندان والوں کو درس حدیث دیتے ہوئے اختیار کیا ہے،

قراءۃ یعنی شاگرد اپنے استاد کے سامنے حدیث پڑھے اور استاد کے ساتھ طلبہ کی جماعت بھی سنے ایسی صورت میں گویا پوری جماعت استاد کے سامنے پڑھ رہی ہے اور وہ سن رہا ہے، اس طریقہ کو قراءۃ علی الشیخ اور عرض بھی کہتے ہیں، عام طور سے محدثات وشیخات نے اپنے تلامذہ کو اسی طریقہ سے حدیث کا درس دیا ہے، وہ پس پردہ ہوتی تھیں اور ان کا کوئی رشتہ دار یا محرم قراءت کرتا تھا، جسے وہ اور طلبہ کی جماعت سنتی تھی،

اجازۃ یعنی استاد اپنی روایت کردہ احادیث کو اپنے سامنے شاگرد کو یہ کہکر دے کہ تم کو میری طرف سے ان کی روایت کی اجازت ہے، اس طریقہ سے بہت سے محدثین نے محدثات کو اور بہت سی محدثات نے محدثین کو اجازت دی ہے، امام ابوالقاسم سہمی جرجانی نے ہبۃ العزیز بنت احمد جرجانیہ سے روایت کرنے کی کیفیت یوں بیان کی ہے۔

اخبرتنا ام الفضل ھبۃ العزیز	ام الفضل ہبۃ العزیز بنت احمد نے ہم
بنت احمد بن عبدالرحمٰن	سے یوں حدیث بیان کی کہ ان کے
من عبد المومن بقراءۃ	بھائی ابوذر ان کے سامنے پڑھ رہے تھے

اخیھا ابی ذر علیھا[۱]

ام محمد فاطمہ بنت عبدالرحمٰن بغدادیہ سے عبدالرحمٰن بن قاسم حدیث کا سماع کر رہے تھے اور ان کے لڑکے احمد اپنے والد کے ساتھ اس سماع میں شریک تھے[۲]، امام ابن جوزی نے فاطمہ بنت حسین رازیہ سے اپنے سماع کی یہ کیفیت بیان کی ہے،

سمعت منھا بقراءۃ شیخنا	میں نے فاطمہ سے حدیث کا سماع اپنے
ابی الفضل بن ناصر[۳]	استاد ابوالفضل بن ناصر کی قراءت
	سے کیا ہے۔

امام تقی الدین فاسی مکی صاحب العقد الثمین نے زینب بنت قاضی مکہ کمال الدین سے مقام بدر میں حدیث کا سماع کیا تھا۔

روت لنا ببدر من الحدیث	زینب نے مقام بدر میں اپنے شوہر
مع زوجھا القاضی جمال	قاضی جمال الدین بن ظہیرہ کی موجودگی میں
الدین بن ظھیرۃ[۴]	ہم سے کچھ حدیثوں کی روایت کی

فاطمہ بنت نفیس الدین محمد ہبنیہ مکیہ نے کتاب ابن ابی الدنیا کی روایت کی، اس کی کیفیت امام تقی الدین فاسی مکی نے اس طرح بیان کی ہے کہ صدرالدین احمد بن بہاء الدین دمشقی نے اس کی قراءت کی، اور اس مجلس میں فاطمہ کے ساتھ ہمارے شیخنا محمد بن عبدالملک مرجانی اور شیخنا ابن سکرہ نے صدرالدین مذکور کے ساتھ اس کا سماع کیا[۵]، ام عبدالکریم فاطمہ بنت نورالدین محمد طبریہ مکیہ سے شریف ابوالخیر بن ابوعبداللہ فاسی اور ان کے بھائی

۱؎ تاریخ جرجان ص ۴۶۴، ۲؎ تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۴۴۱ ۳؎ المنتظم ج ۱۰، ص ... ۴؎ العقد الثمین ج ۸، ص ۲۳۳ ۵؎ ایضاً ص ۲۰۵۔

شریف ابو المکارم نے حدیث کا سماع کیا، اور ابن قطیر نے قرارت کی۔[1]

محدثات وشیخات کی درسگاہوں میں طلبۂ حدیث کا ہجوم

ان محدثات وشیخات سے شرف تلمذ حاصل کرنے کے لیے دور دراز ملکوں سے طلبۂ حدیث جوق در جوق حاضر ہوتے تھے، اور ان سے روایت کو اپنے مفاخر ومحاسن میں شمار کرتے تھے، ان کی درسگاہوں میں صرف طلبہ ہی نہیں بلکہ ائمہ وحفاظ حدیث آکر فیض یاب ہوتے تھے۔

ام محمد زینب بنت احمد بن عمر مقدسیہ نوے (سنہ ۹۰) سال کی عمر تک حدیث کا درس دیتی رہیں، اور مختلف ملکوں کے طلبۂ حدیث ان کی درسگاہ میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوئے، انھوں نے خود بھی مختلف شہروں میں گھوم گھوم کر درس دیا، امام ذہبی نے[2] ان کے حال میں لکھا ہے۔

وارتحل اليها الطلبة وحدثت بمصر وبالمدينة المنورة۔[3]

طلبہ نے ان کے یہاں کا سفر کیا اور خود انھوں نے مصر اور مدینہ منورہ میں حدیث کا درس دیا۔

ام احمد زینب بنت مکی حرانیہ نے چورانوے (۹۴) سال کی عمر تک حدیث کا درس دیا اور اس دور میں بھی ان کی درسگاہ میں طلبہ کا ہجوم رہا کرتا تھا، ذہبی نے لکھا ہے۔

وازدحم عليها الطلبة[4]

ان کے یہاں طلبہ کی بھیڑ رہا کرتی تھی

ام عبد اللہ زینب بنت کمال الدین احمد بن عبد الرحیم مقدسیہ مسندۃ الشام ہیں ان کی پوری زندگی احادیث کی روایت اور کتب حدیث کی تعلیم میں گذری ان کی درسگاہ میں طلبہ کی بڑی کثرت رہا کرتی تھی۔

---

[1] العقد الثمين ج ۸ ص ۲۹۱ [2] ذيل العبر ذہبی ص ۱۲۶ [3] العبر ج ۵ ص ۲۵۸

وتكاثروا عليها وتفردت وروت كتبا كبارا رحمها الله

(العبر ذہبی۔ ص ۲۱۳)

انکے یہاں طلبہ کی کثرت رہا کرتی تھی وہ بہت سی احادیث کی روایت میں منفرد تھیں اور انھوں نے حدیث کی بڑی بڑی کتابوں کا درس دیا۔

فخر النساء شہدہ بنت احمد بن عمر بغدادیہ تقریباً سو (سنہ ۱۰۰) سال کی عمر میں فوت ہوئیں ان کو سماع عالی کا شرف حاصل تھا، اس لیے بڑے بڑے ائمہ حدیث ان کی درسگاہ میں آکر ان سے سماع کرتے تھے، ابن خلکان نے لکھا ہے،

وكان لها سماع عالٍ الحقت فيه الاصاغر بالاكابر۔

([illegible])

انکو سماع عالی حاصل تھا اسی سے انھوں نے خلف کو سلف سے ملا دیا یعنی انکو ائمہ حدیث سے سماع حاصل تھا، اور انکے زمانہ میں ائمہ ان سے سماع حاصل کرکے ان

امام ابن جوزی نے ان کے بارے میں تصریح کی ہے۔

وكان لها برّ وخير وقرئ عليها الحديث سنين وعمرت حتى قاربت المائة۔

(المنتظم جلد ۱۰ ص ۲۴۸)

وہ بڑی صالحہ اور نیک تھیں ان سے برسوں حدیث کا درس لیا گیا تقریباً سو سال کی عمر پائی۔

کریمہ بنت احمد مروزیہ کُشمیہنیہ علم حدیث میں بڑے مرتبہ کی مالک تھیں، صحیح بخاری کی روایت میں ان کو خاص فضیلت وشہرت حاصل تھی، اس زمانہ کے اعیان ومشاہیر ان سے شرف تلمذ حاصل کرتے تھے، ابن جوزی نے لکھا ہے۔

وقرء عليها الائمة كالخطيب وابن المطلب والسمعاني وابي طالب الزينبي،

(المنتظم [illegible])

ان سے خطیب بغدادی ابن مطلب سمعانی ابو طالب زینبی جیسے ائمہ حدیث نے پڑھا۔

خطیب بغدادی نے ان سے یوں روایت کی کہ جب وہ ۴۶۳ھ میں حج کے ارادہ سے مکہ مکرمہ گئے تو وہیں پانچ دن میں ان سے صحیح بخاری پڑھی،

ام محمد زینب بنت احمد تو نسیۃ مکیہ بنت المغربی کی کنیت سے مشہور تھیں انکے بارے میں امام فاسی نے لکھا ہے۔

حدثت وسمع منہا	انھوں نے حدیث کا درس دیا اور
الفضلاء[1]	ان سے فضلاء نے سماع کیا۔

مسندہ مکہ فاطمہ بنت احمد مکہ مکرمہ میں حدیث کا درس دیا کرتی تھیں جس میں اعیان محدثین شریک ہوتے تھے، امام تقی الدین فاسی کا بیان ہے۔

حدثت وسمع منہا	انھوں نے حدیث کا درس دیا اور
الاعیان من شیوخنا وغیرھم	ان سے ہمارے اساتذہ وغیرہ میں سے
وسمعت علیہا الثقفیات[2]	بڑے ممتاز حضرات نے سماع کیا ہے خود میں نے
	ان سے کتاب الثقفیات کا سماع کیا ہے

مسندۃ الشام کریمہ بنت عبدالوہاب سے شرف تلمذ حاصل کرنے کیلئے طلبۂ حدیث ہی نہیں حفاظ حدیث اور مسندین وقت ان کی درسگاہ میں حاضر ہوتے تھے، چنانچہ حافظ زین الدین محمد بن ابوبکر صوفی شافعی ابیوردی نے چالیس سال کی عمر میں ان سے حدیث کا سماع کیا اسی طرح امام عماد الدین مرتضیٰ مسندی دمشقی اور مسند شام امام بہاء الدین ابن قاسم نے ان کی خدمت میں آکر روایت کی اجازت حاصل کی۔

خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں وہاں کی محدثات وراویات کے ذکر میں

---

[1] العقد الثمین ج ۸ ص ۲۲۶ [2] ، ، ص ۲۹۷

ان سے روایت کرنے کو نہایت فخریہ انداز میں بیان کیا ہے، اور بعض محدثات سے استفادہ نہ کرنے پر افسوس ظاہر کیا ہے، چنانچہ خطیب نے لکھا ہے کہ میں نے فاطمہ بنت ہلال بن احمد کرجیہ سے سماع کیا ہے، وہ صادقہ تھیں، بغداد کے مشرقی حصہ میں سوق یحییٰ بازار کے کنارے رہتی تھیں، ستیۃ بنت قاضی ابوالقاسم عبدالواحد بن محمد بجلیہ صادقہ فاضلہ تھیں بغداد کے مشرقی علاقہ میں حریم دارالخلافہ کے قریب رہتی تھیں، میں نے ان سے بھی حدیث کی تعلیم حاصل کی ہے، خدیجہ بنت محمد بن علی الواعظ شاہجانیہ صالحہ صادقہ تھیں، بغداد کے محلہ قطیعۃ الربیع میں رہتی تھیں میں نے ان سے حدیث لکھی ہے، ام سلمہ خدیجہ بنت موسی بن عبداللہ الواعظ صالحہ، ثقہ، فاضلہ تھیں، بغداد کے مقام توثہ میں رہتی تھیں میں نے ان سے بھی حدیث لکھی ہے، طاہرہ بنت احمد بن یوسف تنوخیہ سے میں نے قاضی ابوالقاسم تنوخی کے گھر میں سماع کیا ہے، طاہرہ کی مسموعات قاضی تنوخی کے پاس انکی کتاب میں تھیں، ام عمر بنت ابوالغصن حسان بن زید ثقفیہ بغداد میں معاذ بن مسلم کے گھر کے پاس رہتی تھیں، میں نے ان سے سماع کیا ہے نیز لکھا ہے۔

وحدثت ام عمر ھذہ	انھوں نے ہمارے معاصرین کو
غیر واحد من اصحابنا	حدیث کا درس دیا جیسے محمد بن صباح
منہم محمد بن الصباح	جرجرائی اور دواہی وغیرہ۔
الجرجرائی والدواھی،	

بغداد کی محدثات وشیخات میں فاطمہ بنت محمد بن علبید بن شنجیر صیرفیہ مشہور شیخۂ حدیث تھیں، ابوالفتح محمد بن ابوالفوارس کے پڑوس میں قیام کرتی تھیں بہت سے محدثین نے ان سے روایت کی ہے، خطیب بغدادی کو ایک واسطہ سے ان سے شرف تلمذ حاصل تھا

اس کے باوجود براہ راست ان سے روایت نہ کرنے پر افسوس رہا جس کا اظہار انھوں نے ان الفاظ میں کیا ہے،

لم یقدر لی السماع عنھا	ان سے سماع میرے مقدر میں نہیں
ولکن حدثنی ابو طاھر محمد	تھا، مگر ابو طاہر محمد بن احمد اشنانی
بن احمد بن الاشنانی عنھا	نے ان کی روایت مجھ سے بیان
وکانت ثقة[1]	کی ہے،

ست الوزراء بنت عمر بن اسعد تنوخیہ مسندة الوقت تھیں، ان کا حلقۂ درس دمشق سے مصر تک پھیلا ہوا تھا، وہ دونوں شہروں میں حدیث کا درس دیا کرتی تھیں، خاص طور سے صحیح بخاری اور مسند امام شافعی کے درس میں ان کو شہرت حاصل تھی، انھوں نے مصر و دمشق میں یہ دونوں کتابیں متعدد بار پڑھائیں[2]۔

شمس الضحیٰ بنت محمد بن عبد الجلیل محدثہ عابدہ زاہدہ تھیں، ان کا باقاعدہ حلقۂ درس تھا جس میں طلبۂ حدیث شریک ہو کر تعلیم حاصل کرتے تھے، تقی الدین فاسی مکی کا بیان ہے کہ

وسمع منھا جماعة من طلبة	ان سے طلبۂ حدیث کی ایک جماعت
الحدیث[3]	نے سماع کیا ہے۔

فاطمہ بنت حسین الواعظہ رازیہ کے حال میں امام ابن جوزی نے لکھا ہے کہ میں نے ان سے اپنے استاد ابو الفضل بن ناصر کی قرأت کے ذریعہ ابراہیم حربی کی کتاب ذم الغیبة،

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ بغداد ج ۱۴ بالترتیب ص ۴۴۵ و ۴۴۶ و ۴۴۴ و ۴۴۵ و ۴۴۳ و ۴۳۳ و ۴۴۶ و ۴۳۳ و ۴۳۵ [2] ذیل العبر ذہبی ص ۸۸ [3] العقد الثمین ج ۸ ص ۲۵۰۔

ابن سمعون کی کتاب المجالس اور امام شافعی کی مسند کا سماع کیا ہے[1] امام ذہبی نے ام محمد شہدہ بنت کمال الدین کے تذکرہ میں ان سے اپنے سماع کی تصریح کی ہے، محدث بن نقطہ کا بیان ہے کہ میں نے عائشہ بنت معمر اصفہانیہ سے مسند ابی یعلیٰ کا سماع کیا ہے۔ اور عائشہ نے اس کا سماع امام سلفی سے کیا تھا، امام تقی الدین فاسی مکی کا بیان ہے کہ ام محمد علماء بنت ابوالیمن محمد نے اپنی پھوپھی ام الحسن فاطمہ بنت احمد بن رضی الدین سے حدیث مسلسل بالاولیۃ کا اور اپنے نانا شیخ رضی الدین طبری سے تساعیات رازی کا سماع کیا تھا، اور میں نے علماء بنت احمد سے ان دونوں کا سماع کیا ہے، اور مسندۂ مکہ فاطمہ بنت احمد بن قاسم سے ہمارے شیوخ نے سماع کیا تھا، اور میں نے ان سے ثقفیات کا سماع مدینہ منورہ میں کیا جب کہ وہاں مقیم تھیں[2]۔ امام احمد بن علی صالحی حنفی متوفی ۷۶۵ھ نے زینب بنت معلم سے سماع کیا ست الوزراء سے صحیح بخاری پڑھی[3]، ابو العباس احمد بن علی قرشی بکری، کرمی، ذہبی، ابن الجزری کی طرح فاطمہ بنت ابراہیم مقدسیہ نے بھی حدیث کی اجازت دی تھی[4]، (باقی)

---

[1] المنتظم ج ۱۰ ص ۸ [2] العقد الثمین ج ۸ ص ۲۸۱ و ۲۹۲ [3] الطبقات السنیہ فی تراجم الحنفیہ ج ۱ ص ۴۰۴ [4] ایضاً ص ۴۰۷

تذکرۃ المحدثین

یعنی صحاح ستہ کے مصنفین کے علاوہ دوسری صدی ہجری کے آخر سے چوتھی صدی کے اوائل تک کے مشہور اور صاحب تصنیف محدثین کرام کے حالات و سوانح اور ان کی شاندار خدمات کی تفصیل۔

مولفہ ضیاء الدین اصلاحی رفیق دار المصنفین، قیمت - ۱۳ - ۵

ابوبکر زکریا رازی اور اسکی کتاب الحاوی

از جناب حکیم مولوی محمد عطاء الرحمن صاحب سیوانی ندوی لٹریری ریسرچ یونٹ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

علم طب کی تاریخ میں آٹھویں صدی عیسوی کے جلیل القدر اور جدت پسند طبیب ابوبکر محمد بن زکریا رازی کو بہت ممتاز مقام حاصل ہے، اس کا مولد و منشا ایران کا مشہور مردم خیز شہر رے تھا، اس نے اسی شہر کی نسبت سے شہرت پائی۔ وہ بچپن ہی سے علوم عقلیہ کا دلدادہ تھا[1] چنانچہ منطق و فلسفہ اور ہندسہ و ہئیت کی تحصیل میں اس نے بڑی محنت کی تھی، اس کو موسیقی سے بھی خاص شغف تھا، اور عود بجانے میں بڑا ماہر تھا۔ شعر[2] و ادب سے بھی دلچسپی تھی، لیکن اسکے فکر و نظر کی اصل جولانگاہ فن طب ہے۔ اس کی تحصیل کے لیے وہ بغداد گیا تھا، اور وہاں متوکل باللہ کے طبیب خاص ابوالحسن علی بن زین الطبری کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرکے اس فن کی تکمیل کی۔ گو اس کو طب کی تحصیل کا شوق اس وقت پیدا ہوا جب کہ اسکی عمر چالیس سے متجاوز ہو چکی تھی، پھر بھی اس نے اس فن میں اتنا کمال پیدا کیا کہ کم از کم مسلمان اطبا میں اس کی نظیر موجود نہیں ہے، اسی باعث قفطی اس کو طبیب المسلمین غیر مدافع لکھتا ہے۔[3]

ابن خلکان رقمطراز ہے،

کان امام وقتہ فی الطب	وہ اپنے زمانہ میں طب کا امام اور

۱؎ عیون الانباء ج ۱ ص ۳۰۹ ۲؎ ابن خلکان ج ۲ ص ۵۰۳ ۳؎ اخبار الحکماء ص ۱۸۰

والمشار الیہ فی ذلک العصر	مرجع انام تھا نیز اس فن کا ماہر
وکان متقنا لهذه الصناعة	تجربہ کار اور اس کے مختلف حالات و
حاذقا بها عارفا بأوضاعها	قواعد کا واقف کار تھا۔ اس فن کی
وقوانينها تشد اليه	تحصیل کرنے کے لیے لوگ دور دور
الرحال لأخذها عنه[4]	سے سفر کرکے اس کے پاس آتے تھے۔

ابن ندیم لکھتا ہے۔

أوحد دهره وفريد عصره	وہ یگانہ دہر اور منتخب روزگار تھا،
قد جمع المعرفة بعلوم القدماء	متقدمین کے تمام علوم خصوصاً طب کا
لاسيما الطب۔[5]	ماہر اور جامع تھا۔

عہد حاضر میں سارطان (Sarton) اس کے بارے میں لکھتا ہے۔

The greatest Clinician of Islam and of The middle Ages Galnic in Theory. he combined with his immuse lear-ning true. Hippocratie wisdom.

(Sarton: Intraduction To the History of Science. Vol. 1. Page 609)

اسی طرح کیمبل (Campbell) جو اسلامی طب کی تاریخ کا مشہور مبصر ہے لکھتا ہے۔

۴؎ وفیات الاعیان ج ۲ ص ۵۰۳ ۵؎ الفہرست لابن الندیم

With the name of Ar-Razi ....wearrive at the maturity of the classicel Period of Arabian medicine ....He was the most celebrated and probably the most originel. of The Arabian writers who followed both— Hippocrates and Glen in their— methods and ideas.....He was a great clinician, and rauks with Hippoerates as one of the original Portrayerd of deseas.

(Campbell: History of Arabian medicine. P. 65.)

اس طبی مہارت کے باعث ابوبکر رازی بیمارستان رے کا افسر الاطباء (چیف میڈیکل آفیسر) مقرر ہوا۔ ابن ندیم نے لکھا ہے کہ وہ اسپتال میں اپنے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ سے گھرا رہتا تھا۔ جب کوئی مریض اسپتال پہونچتا تھا تو پہلے اس کے شاگردوں کے شاگرد اس کا طبی معائنہ کرتے تھے۔ اگر وہ مرض کی تشخیص کر لیتے تو فبہا ورنہ پھر اسکو شاگرد دیکھتے تھے۔ اگر مرض اتنا غیر الفہم ہوتا کہ وہ بھی اس کو

سمجھنے سے قاصر رہتے تو آخر میں وہ مریض رازی کے سامنے پیش کیا جاتا تھا[1] اور وہ اپنی ذکاوت و حذاقت اور مہارت فن سے اس کے مرض کی تشخیص کر کے علاج کرتا۔ اور اس کی شفایابی کے لیے ہر امکانی جدوجہد کرتا تھا۔ بقول ابن ابی اصیبعہ وہ مریضوں سے نہایت شفقت و محبت اور ملائمت سے پیش آتا تھا۔ وہ طب کے اسرار و غموض پر گہری نظر رکھتا تھا۔ اس کا بیشتر وقت متقدمین فضلاء اور علمائے فن کی کتابوں کے مطالعہ میں گذرتا تھا۔ یہاں تک کہ معالجات وادویہ کے باب میں اس کی بعض ایسی نادر تحقیقات تھیں جن تک بہت سے اطباء کے ذہن کی رسائی نہیں ہوتی تھی۔[2]

اس کے بعد ابوبکر رازی بغداد کے مشہور اسپتال "بیمارستان عضدی" کا افسر الاطباء مقرر ہوا۔ اور طویل مدت تک اس منصب پر فائز رہا۔ ابن ابی اصیبعہ نے ابوالقاسم بغدادی کاتب کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ جب عضد الدولہ نے مذکورہ اسپتال کو قائم کیا تو اس کی خواہش ہوئی کہ اس میں ماہرین فن اطباء اور فضلائے عصر کی ایک جماعت موجود ہو۔ چنانچہ اس کے حکم سے پچاس مشہور طبیبوں کا انتخاب عمل میں آیا۔ جس میں رازی کا نام ... سرفہرست تھا۔ پھر اس تعداد میں سے بھی منتخب کر کے دس طبیبوں کی فہرست بنائی گئی تو رازی اس میں بھی شامل رہا۔ اور اس کے بعد پھر جب دس میں سے بھی صرف تین کو منتخب کیا گیا تو بھی رازی نہ صرف ان میں سے ایک رہا بلکہ اسی کو افسر الاطباء بنایا گیا۔[3] لیکن اس بیان کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی اصیبعہ نے اپنی رائے یہ ظاہر کی ہے کہ رازی عضدالدولہ سے متقدم تھا۔ اور وہ جس اسپتال سے متعلق تھا وہی بعد میں "بیمارستان عضدی" کے نام سے موسوم ہوا۔ جب کہ عضدالدولہ نے اسکی

---

[1] الفہرست الابن ندیم [2] عیون الانباء فی طبقات الاطباء ج ۱ ص ۳۱۰ [3] ایضاً ص ۳۱۰

[4] اخبار الحکماء ص ۱۷۹

از سر نو تنظیم و تجدید کی)

ابوبکر زکریا رازی کے اکثر سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ آخر عمر میں نزول الماٗ (موتیا بند) کے سبب سے نابینا ہو گیا تھا۔ اور جب اس سے آپریشن کے بارے میں کہا گیا تو یہ کہکر انکار کر دیا کہ

قد ابصرت من الدنیا حتی مللت[1]	میں دنیا دیکھتے دیکھتے اکتا گیا ہوں

ابوبکر رازی نے مختلف علوم و فنون میں بکثرت کتابیں تالیف کی ہیں جن کی تعداد سیکڑوں تک پہونچتی ہے۔ چنانچہ ابن ابی اصیبعہ، ابن القفطی اور ابن ندیم نے اس کی چھوٹی بڑی کتابوں اور رسائل کی بہت طویل فہرست نقل کی ہے، ان میں اکثر تصنیفات فن طب سے متعلق ہیں ان کتابوں میں کتاب الحاوی گل سرسبد کی حیثیت رکھتی ہے،

یہ کتاب اسلامی طب کی انجیل مقدس سمجھی جاتی رہی ہے چنانچہ علی بن العباس المجوسی جو رازی کے نصف صدی بعد ہی پیدا ہوا تھا اور جس کی کتاب کامل الصناعۃ قانون سے پہلے طب کی معتمد علیہ کتاب سمجھی جاتی تھی، بلکہ شائد اسی کو سامنے رکھ کر شیخ الرئیس نے کتاب "قانون" مرتب کی تھی، وہ اس کے بارے میں لکھتا ہے۔

فاما کتابہ المعروف بالحاوی	اس کتاب جو الحاوی کے نام سے معروف
فوجدتہ قد ذکر فیہ جمیع	ہے، اس میں اس نے وہ تمام باتیں بیان
مایحتاج الیہ المتطببون	کردی ہیں جن کی اطبا کو حفظان صحت
من حفظ الصحۃ ومداوا ۃ	اور علاج امراض میں ضرورت ہوتی ہے
الامراض والعلل التی تکون	نیز ان ادویہ و اغذیہ کا بھی ذکر کر دیا ہے جو

[1] اخبار الحکما ص ۱۹

بالتدبیر بالادویۃ والا	اس سلسلہ میں کام آتی ہیں، امراض کی
غذیۃ وعلاماتھا ولم	علامات بھی بیان کردی ہیں الغرض
یغفل عن شئی مما یحتاج	کوئی ایسی بات نظر انداز نہیں کی جسکی
الیہ الطالب لھذہ الصناعۃ	اس فن کے طالبوں کو ضرورت ہوتی ہے
من تدبیر الامراض والعلل[2]	

مشرق تو مشرق ہے مغرب میں بھی اسکی مقبولیت اور جلالت قدر کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ چودھویں صدی مسیحی میں پیرس (Taris) کی میڈیکل فیکلٹی کی لائبریری جن نو کتابوں پر مشتمل تھی، ان میں سے ایک الحاوی (Liber continens) تھی چنانچہ کیمپبل (Campbell) لکھتا ہے۔

Razes' Al-Havi (کتاب الحاوی) Liber continens ") The largest and most important of His productions, was an encyclopaedia of medicine and Surgery containing As summary of All The branches of Art And Science of medicine in Twenty Five books. This work Exceeds in bulk The Canon of Avicenna And was one of The nine volumes which composed The

Whole Library of The medical
Faculty of Baris in 1395.

رازی کی کتاب الحاوی اس کی تصانیف میں سب سے بڑی اور سب سے اہم ہے،
وہ فن طب و جراحت کی انسائیکلو پیڈیا ہے، اس کی ۲۵ جلدوں میں طب کی تمام شاخوں
کا خلاصہ آگیا ہے، یہ کام اپنی مقدار میں ابن سینا کے کام سے بھی بھاری ہے الحاوی ان
نو طبی کتابوں میں سے تھی جن پر ۱۳۹۵ء میں پیرس کی فیکلٹی آف میڈیسن مشتمل تھی

مگر اس قبول عام کے باوجود یہ کتاب ہمیشہ کمیاب رہی ہے، اس کی غیر معمولی ضخامت
کی بنا پر شائقین نقل کرنے سے عاجز تھے، آج بھی مشرق و مغرب کی کسی لائبریری میں اس کا کامل
نسخہ موجود نہیں ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے دائرۃ المعارف حیدرآباد اور اس کے جنت
آشیاں ڈائرکٹر ڈاکٹر نظام الدین مرحوم کو جن کی انتھک کوششوں سے یہ کتاب کسی نہ کسی
طرح شائع ہو کر منصۂ شہود پہ آگئی۔

دائرۃ المعارف کے اس احسان سے طبی دنیا عہدہ برآ نہیں ہو سکتی کہ اس کی سعی
سے یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائقین طب کے ہاتھوں میں پہونچ گئی ظاہر ہے
کہ اتنی ضخیم کتاب جو پچیس جلدوں پر مشتمل ہے، اور ہر جلد میں دو ڈھائی سو صفحات ہیں،
اس کا شائع ہو جانا معجزہ سے کم نہیں، تنقیدی متن کی ترتیب و تحریر تو بعد کا کام ہے۔
وہ بھی اتنا ہی اہم جتنا کہ نفس طباعت۔

ادھر گورنمنٹ آف انڈیا نے جب قدیم طب کے احیاء پر توجہ کی تو آیورویدک وغیرہ
کے ساتھ یونانی طب کی ترقی کا بھی انتظام کیا گیا اور علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے ارباب
حل و عقد کی نگہ دوڑی جس میں اس وقت کے وائس چانسلر ڈاکٹر عبد العلیم کے علاوہ

شفاء الملک حکیم عبد اللطیف صاحب فلسفی خاص طور سے قابل ذکر ہیں اجمل خاں
طبیہ کالج علی گڑھ میں ایک سنٹرل ریسرچ یونٹ قائم کرنے کی تجویز منظور کی اور
طبی دنیا حکیم عبد الرزاق صاحب کی بھی ممنون ہے کہ ان کی مساعی جمیلہ سے اس یونٹ نے
عملی شکل اختیار کی۔

اس یونٹ میں جب تحقیقی کام کی انجام دہی کا منصوبہ بنا تو اس میں اولیت کا شرف
کتاب الحاوی کے ترجمہ کو دیا گیا۔

شفاء الملک مرحوم کی شفقت اور ڈاکٹر عبد العلیم کی علم دوستی نے یہ کام راقم
سطور کے سپرد کیا۔

میں نے اکتوبر ۱۹۶۹ء سے کام شروع کیا۔ اس وقت میں یونٹ کے اندر تنہا ریسرچ
ورکر تھا مجھے جو دقتیں اس فرض کے انجام دینے میں پیش آئیں ان کا اندازہ وہی اصحاب کر سکتے
ہیں جنھیں ایک زبان سے دوسری زبان میں کسی علمی و فنی کتاب کے ترجمہ کا اتفاق ہوا ہو
میں نے صرف یہی کوشش نہیں کی کہ میرے محسنوں نے جو توقعات مجھ سے وابستہ کی تھیں
ان میں انھیں مایوسی نہ ہو بلکہ اس بات کو بھی ہمیشہ ملحوظ رکھا کہ ایک طبی کتاب کے صحیح
ترجمہ پر مریضوں کی صحت کا مدار ہے، بسا اوقات ایک لفظ کی غلطی زندگی اور موت
کے لیے فیصلہ کن ثابت ہو سکتی ہے۔

اللہ کا شکر ہے کہ ایک سال میں جلد اول کا ترجمہ مکمل ہو گیا، اسی اثناء میں یونیورسٹی
کے ارباب حل و عقد نے سینیر ریسرچ آفیسر کی جگہ پر جناب شبیر احمد خاں صاحب غوری ایم۔ اے
(علیگ) کا تقرر کیا اور میرے ترجمہ پر نظر ثانی کا فریضہ بھی انھیں تفویض کیا موصوف نے
لفظاً لفظاً عربی عبارت کی خواندگی کے ساتھ احقر کی معیت میں نظر ثانی فرمائی

بعض اوقات ایک ایک سطر پر گھنٹوں ہم دونوں نے علمی انداز کے مباحثے طبی کتابوں کی جانب مراجعت اور لغات عرب سے استمداد کیا۔ بعض مقامات پر اختلاف رائے بھی ہوتا، بحث وتحقیق کے بعد جب کامل اتفاق ہوجاتا اور صحیح مفہوم متعین ہوجاتا تو ہم ترجمہ کو باقی رکھتے۔ ورنہ بسا اوقات پورے ترجمہ کو حذف کر کے دوسرا ترجمہ کرتے

اس کام کی اہمیت کا صحیح اندازہ کچھ وہی صاحبان علم کر سکتے ہیں جو عربی زبان وادب اور طبی علوم وفنون کے ماہر بھی ہوں اور ان کو ترجمہ وتالیف کی پُرخطر سنگلاخ وادیوں سے گذرنے کے مواقع بھی حاصل ہوئے ہوں۔ مختصر یہ کہ

خطرہ قدم قدم پہ ہے کانٹے بچھے ہیں راہ میں

مثال کے طور پر ایک مقام پر خرء کلب ہمیںن مرقوم ہے، (ملاحظہ ہو جلد پنجم ص ۱۵ س ۱) خرء بجائے معجمہ کے معنی گوبر۔ بیٹ۔ پائخانہ کے ہیں۔ لیکن اس مقام کی عبارت اس معنی کی ہرگز متحمل نہیں ہے، کیونکہ مریض کو اپنے شکم سے چھوٹے بچہ کو چمٹانے کا مشورہ دیا جارہا ہے، مگر اس حال میں کہ اس بچہ کے جسم پر پسینہ یا کسی قسم کی تری بالکل نہ ہو، اگر بچہ دستیاب نہ ہوسکے تو دوسری شکل یہ تجویز کی گئی ہے کہ "خرء کلب" کو اپنے شکم سے چمٹایا جائے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر خرء کے یہ معنی بغیر حذاقت طبی کے اختیار کرلئے جائیں تو اولاً اس کے تصور سے طبیعت کو سخت "تکدر وانکراہ" ہوتا ہے اور کوئی شخص جو احساسات انسانی کا کسی درجہ میں بھی شعور رکھتا ہوگا وہ اس علاج پلید کے لیے خود کو ہرگز آمادہ نہیں کر سکے گا۔ ثانیاً بچہ کو شکم سے چمٹانے کی ہدایت کے لوازمات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ پسینہ اور تری سے خالی وپاک ہو۔ اور "خرء کلب" یقیناً تر ہوگا۔ لیکن اگر اسکو خشک کر کے استعمال کیا جائے جس کا کوئی اشارہ اس مشورہ میں موجود نہیں ہے، تو وہ فوائد

حاصل نہیں ہوسکیں گے ان وجوہ سے اس لفظ (خرء) کے ترجمہ کو میں نے خالی رکھ چھوڑا۔ غوری صاحب اور میں اس کی تحقیق اور تعیین معنی کے لئے کئی دن تک گھنٹوں الجھن میں مبتلا رہے۔ آخر میرا ذہن لفظ خرء کے بجائے لفظ جرء بالجیم المعجمہ کی جانب منتقل ہوا، جرء بالجیم المعجمہ کے معنی کتے کا پلا یا شیر کا بچہ ہے، لغت کی کتابوں کے استقصا ء سے (اب معنی کو پورے طور پر منشرح کر دیا) یعنی کتے کے پلے کو جو فربہ ہو مریض اپنے شکم سے چمٹائے۔ الحادی کے کاتب نے نادانی سے اوپر کا نقطہ نیچے لکھدیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کتابت کے وقت جو قلمی نسخہ پیش نظر ہو اسی میں یہ غلطی ہو۔

دوسری جلد کا ترجمہ ہمارے یونٹ کے ایک اور رفیق کار نے شروع کیا، تھا جو اب اللہ رب العزت کو پیارے ہوچکے ہیں، وہ زہد وتقوی کے علاوہ علم وفضل بالخصوص فن طب کے اندر دستگاہ عالی رکھتے تھے، وہ ترجمہ کے ساتھ ساتھ توضیحی تعلیقات بھی سپرد قلم کرتے جاتے تھے' ان کے ذاتی علم اور تجربہ کا نتیجہ تھیں، اور چونکہ وہ بھی کام ان کی ذات سے متعلق تھے۔ اس لیے وہ تقریباً ایک ثلث کتاب کا ترجمہ کر سکے، تیسری جلد ایک اور صاحب کے سپرد ہوئی ہے، خدا جانے انھیں اس جلد کے ترجمہ میں کتنی کامیابی ہوئی انھوں نے ابھی تک یہ ترجمہ یونٹ کو دکھایا نہیں ہے۔

چوتھی جلد کے ترجمہ کا کام پھر اس عاجز کو تفویض ہوا جو امراض الرئہ کے معالجات پر مشتمل ہے، جب سابق میں نے اسے بھی ان دقتوں کے باوجود جو اس قسم کے کارہائے خطر کی انجام دہی میں مضمر ہیں، پایہ تکمیل تک پہونچایا، اور حسب سابق سطراً سطراً اسکی عربی عبارت کی خواندگی جناب شبیر احمد خاں صاحب غوری سینیر ریسرچ آفیسر آف یونٹ کی معیت میں پوری توجہ سے کی گئی، اور ترجمہ پر کافی غور وخوض کیا گیا۔ بحمدہ تعالےٰ

اس چوتھی جلد کا ترجمہ بھی مسودہ کے بعد مبیضہ کی شکل اختیار کر چکا ہے اور یونٹ کے اندر محفوظ ہے۔ اور اب پروردگار عالم کی توفیق سے۔ پانچویں جلد کا ترجمہ کر رہا ہوں جو امراض المری والمعدہ پر مشتمل ہے، اس کے بعد کتاب کی بیس جلدیں اور باقی ہیں دیکھئے کس طرح اور کتنے عرصہ میں ان کا ترجمہ مکمل ہوتا ہے، پھر اتنی بڑی کتاب کی طباعت کا معاملہ بھی بڑا کثیر المصارف ہے، خدا کرے حکومت ہند اس جانب متوجہ رہے، اور ہمارے طبیہ کالج کے ارباب بست و کشاد تجربہ کار اور لائق افراد سے ترجمہ کرا کر اس کو زیور طبع سے آراستہ کرتے رہیں اس طرح اردو میں ایک طبی انسائیکلوپیڈیا تیار ہو جائے گی، اور ہمارے کالج کی خدمت اور حکومت ہند کی سرپرستی تاریخ کے اوراق میں سنہرے حروف سے لکھی جائے گی۔

(دار المصنفین کی نئی کتابیں)

خریطۂ جواہر

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم ناظم دار المصنفین کی یہ آخری تصنیف ہے اس میں مرزا مظہر جان جاناں کی بیاض خریطۂ جواہر کے منتخب اشعار کی تشریح و ترجمہ کے ساتھ خود مصنف مرحوم کے اپنے خیالات بھی درج ہیں، ضخامت ۱۴۴ صفحے قیمت - ۷۵ - ۴

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری

اس میں عہد مغلیہ سے پہلے کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری کی تفصیلات درج ہیں، مرتبہ - سید صباح الدین عبد الرحمٰن

ضخامت - ۱۶۰ صفحے - قیمت - ۵ - ۰

جاوید نامہ کے کردار

از

جناب جگن ناتھ آزاد صاحب کشمیر

"جاوید نامہ اقبال کا شاہکار ہے، اس طویل نظم میں جو بقول مصنف ڈیوائن کامیڈی کے طرز پر لکھی گئی ہے، زندہ و مردہ ملا کر انتالیس ۳۹ کردار نظم کی تشکیل و تکمیل میں شاعر کا ساتھ دیتے ہیں، ان کرداروں میں مشرق و مغرب کے شاعر و مفکر بھی ہیں، مذہبی اور روحانی ہستیاں بھی اور ایسے کردار بھی ہیں، جو اقبال کے ذہن کی اختراع ہیں، جاوید نامہ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لئے ذیل میں ان تمام کرداروں کا ایک تعارف پیش کیا جا رہا ہے"

(جگن ناتھ آزاد)

رومی:۔ مولانا جلال الدین رومی، نام محمد، لقب جلال الدین، اقبال کے روحانی استاد اور رہنما، ۳۰ ستمبر ۱۲۰۷ء کو بلخ میں پیدا ہوئے، ۱۷ دسمبر ۱۲۷۳ء کو قونیہ میں انتقال کیا، تصانیف: مثنوی، خطوط کا مجموعہ اور دیوان شمس تبریز؛

زروان:۔ روحِ زمان و مکان، اقبال نے یہ اصطلاح اوستا سے لی ہے، جس کے معنی ہیں زمان حقیقی، اقبال نے اسے صرف زمان ہی نہیں، بلکہ زمان و مکان کی علامت کے طور پر بھی استعمال کیا ہے، اور گویا ایک طرح سے اس ضمن میں آئن اسٹائن کا تتبع کیا ہے:

عارف ہندی (جہاں دوست) شیوجی مہاراج جنھیں اقبال نے ہندوستانی فلسفے اور روحانیت کی تجسیم کے روپ میں دیکھا۔ بعض شارحین کلام اقبال نے "جہاں دوست" کا لفظی ترجمہ کرتے ہوئے عارف ہندی کا نام وشوا تر لکھا ہے، جو محض سہل انگاری اور عدم احتیاط پر مبنی ہے۔

سروش:- پہلوی زبان کا لفظ ہے۔ عام طور سے فرشتے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ زرتشتیوں کے نزدیک اُس فرشتے سے مُراد ہے جو یزداں کی طرف سے انسان کے نام پیغام لاتا ہے۔ اقبال نے اُسے جبریلی شان رکھنے والی فلک قمر کی ایک نازنین کے روپ میں پیش کیا ہے۔

گوتم:- مہاتما بدھ، اصل نام سدارتھ گوتم، ساکیہ منی بھی کہلاتے ہیں۔ ۵۶۳ء قبل مسیح میں کپل دستو کے مقام پر مہاراج سدھودھن کے گھر میں جنم لیا۔ ۴۸۳ء قبل مسیح میں گیا کے مقام پر اس دنیا کو خیر باد کہا۔

زنِ رقاصہ:- کسی مندر کی دیوداسی تھی، اور مہاتما بدھ کے مخالفوں نے اُسے مہاتما بدھ کی آزمائش کے لیے بھیجا تھا لیکن ہوا یہ کہ مہاتما بدھ کی تعلیم اس کے دل میں گھر کر گئی، اور وہ گناہوں سے تائب ہو گئی۔ (نظم میں لذاتِ دنیوی کی علامت کے طور پر آئی ہے)

اہرمن:- زرتشتیوں کے مذہب کی رو سے روحِ بد کا نام، گویا ابلیس کا مترادف۔ اُس کے مقابل میں مذہبِ زرتشت کی رُو سے ایک روحِ خیر موجود ہے، اسے اہرامزدا کہتے ہیں:-

زرتشت:- قدیم ایران کے ایک مذہب کا داعی۔ اس کا زمانہ ۶۰۰ قبل مسیح تصور کیا جاتا ہے۔ مذہب زرتشت کو ساتویں صدی قبل مسیح سے چھٹی صدی قبل مسیح تک سارے ایران میں فروغ حاصل رہا۔ زرتشت نے ثنویت کی تعلیم دی ہے۔

طالسطائی:- کاؤنٹ لیو نکولائے وچ ٹالسٹائی، مشہور روسی مصنف، مصلح، فلسفی اور صوفی، تاریخِ ولادت ۲۸ راگست ۱۸۲۸ء، تاریخ وفات ۲۰ رنومبر ۱۹۱۰ء۔

تصانیف: جنگ اور امن، اناکرینینا، فن کیا ہے، سوانح حیات وغیرہ۔

افرنگین: یورپی تہذیب کی علامت جس نے بقول اقبال حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کو یکسر فراموش کر دیا ہے۔ ہمارے الفاظ میں اوہ پرستی اور لذاتِ جسمانی کی علامت۔

غرق ود سیماب مردے یا کرا یہودی نوجوان اسقروطی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حواری تھا، اور جس کی غدارانہ نشان دہی پر انھیں گرفتار کر کے عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق مصلوب کیا گیا۔

ابوجہل: نام عمرو بن ہشام بن مغیرہ، کنیت ابوالحکم، رسول اکرمؐ کے زمانے میں اسلام کا سب سے بڑا دشمن، اس کی جہالت کے باعث اسے ابوجہل کا لقب دیا گیا۔ اسے تعلیم اسلام پر سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ اس تعلیم نے بندہ و آقا کی تمیز کو ختم کر کے حسب و نسب کی فضیلت اور خاندانی آبرو کو مٹی میں ملا دیا ہے۔

جمال الدین افغانی:- مولانا سید جمال الدین افغانی، تاریخ ولادت اور مقام ولادت دونوں کے بارے میں اختلاف ہے۔ تاریخ ولادت قاضی عبدالغفار کے نزدیک ۱۸۳۹ء اور غلام رسول مہر کی تحریر کے مطابق ۱۸۳۸ء ہے، اسی طرح مقام ولادت کے بارے میں بھی ایک رائے نہیں ہے۔ بعض انھیں ایرانی نژاد اور بعض افغانستان کا باشندہ کہتے ہیں۔ انھیں افغانستان کا باشندہ سمجھنے والوں میں بھی بعض لوگوں کے نزدیک وہ اسد آباد میں پیدا ہوئے تھے، اور بعض کے خیال میں اسعد آباد میں۔ ۹ مارچ ۱۸۹۷ء کو استنبول میں وفات پائی، وہیں دفن ہوئے۔ ۱۹۴۴ء میں ان کی میت کو افغانستان لا کر کابل میں دفن کیا گیا۔ سید جمال الدین افغانی تمام عمر ملوکیت کے خلاف سرگرمِ عمل رہے۔

سعید حلیم پاشا:- ترکی کے مشہور سیاست داں اور ابراہیم حلیم پاشا کے فرزند، تاریخ ولادت ۱۸۶۵ء، مقام پیدائش کے بارے میں اختلاف ہے۔ بقول سید عابد علی و اکبر حسین قریشی

قاہرہ میں پیدا ہوئے، اور بقول یوسف سلیم چشتی قسطنطنیہ میں، ترکی اور جنیوا میں تعلیم پائی،
۱۹۱۳ء میں ترکی کے وزیر اعظم مقرر ہوئے، ۱۹۱۹ء میں ان پر مقدمہ چلا، اور مالٹا میں نظر بند کئے
گئے، ۱۹۲۱ء میں وہ رہا ہوئے، اور اُسی سال روم میں قتل ہوئے،

زندہ رود:- اقبال۔ مختلف افلاک کی سیر میں شاعر کا نام "جاوید نامہ" میں یہ نام
انہیں رومی نے دیا، (تاریخ ولادت ۹ نومبر ۱۸۷۷ء۔ تاریخ وفات ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء)

مردوخ:- ایک قدیم بت جس کی پرستش اہل بابل کرتے تھے،

بعل:- ایک قدیم سامی بت، جو فینیقیوں کا معبود تھا، فینیقی ۲۰۰۰ قبل مسیح لبنان میں
آباد تھے، بعل کے لغوی معنی ہیں قوت، طاقت، مجازی طور پر آقا اور شوہر کے معنی میں بھی استعمال
ہوتا رہا، عبرانی زبان کا لفظ ہے،

فرعون:- قدیم شاہانِ مصر (اس کی جمع فراعنہ ہے) یہاں اُس فرعون کی طرف اشارہ ہے،
جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں مصر کا بادشاہ تھا،

کشنر (ذوالخرطوم) لارڈ کچنر مشہور برطانوی جنگی جرنیل تاریخ پیدائش ۱۸۵۰ء ۱۹۰۲ء
سے ۱۹۰۹ء تک ہندوستان کا کمانڈر انچیف رہا، ۱۹۱۶ء میں اُسے اُس کے جہاز سمیت جرمنوں
نے سمندر میں غرق کر دیا،

کچنر نے ۱۸۹۸ء میں مہدی سوڈانی کے پیروؤں کو شکست دی، اور جوشِ انتقام میں
مہدی سوڈانی کی قبر تک کھدوا ڈالی، انگریزوں نے اسے اس خدمت کے صلہ میں تیس ہزار پونڈ
نقد انعام کے علاوہ (Lord of Khartoum) کا خطاب عطا کیا، اقبال نے
لارڈ آف خرطوم کا ترجمہ ذوالخرطوم کر کے اُسے معانی کی ایک کائنات عطا کر دی ہے، انگریزی
خطاب کا یہ ترجمہ تو ہے ہی، لیکن چونکہ ہاتھی اسلامیات میں دشمنِ کعبہ کی علامت کے طور

آیا ہے، اس لئے اقبال نے لارڈ کچنر کو "ذوالخرطوم یعنی سونڈ والا" کہہ کے اُس جذبہ حقارت کا اظہار
بھی کر دیا ہے، جو عالم اسلام میں لارڈ کچنر کے خلاف موجود تھا،

درویش سوڈانی:- مہدی سوڈانی۔ اصل نام محمد احمد بن عبداللہ، تاریخ پیدائش میں
اختلاف ہے، لیکن ۱۸۴۳ء زیادہ قرین قیاس ہے، بائیس (۲۲) برس کی عمر میں مہدی موعود ہونے کا دعویٰ
کیا، لوگ اُس کی تحریک میں شامل ہوتے گئے اور اس نے اپنی سلطنت کی حدود مصر تک بڑھائیں،
خدیو مصر نے اس کی طاقت کا قلع قمع کرنے کے لئے جنرل گارڈن کی سرکردگی میں فوج بھیجی اس
کے پیروؤں نے جنرل گارڈن کو قتل کر دیا،

مہدی سوڈانی نے ۱۸۸۵ء میں وفات پائی لیکن اس سے قبل اس کے پیرو خرطوم پر قابض
ہو چکے تھے، جہاں اُن کی حکومت تیرہ برس تک قائم رہی، ۱۸۹۸ء میں لارڈ کچنر نے پوری تیاری
سے خرطوم پر حملہ کیا، مہدی کے متبعین کو شکست ہوئی، کچنر خرطوم پر قابض ہوا، اور پہلا کام اُس
نے یہ کیا کہ مہدی سوڈانی کی قبر کھدوا کر اس کی ہڈیاں سر بازار نذر آتش کیں،

انجم شناس مریخی:- مریخ کا ایک ستارہ شناس، اقبال کی فکری تحقیق و تجسس کی علامت،

دوشیزۂ مریخ:- مریخ کی ایک دوشیزہ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا، اقبال کی ایک
فکری کاوش، بقول انجم شناس مریخی یہ دوشیزہ مریخ کی رہنے والی نہیں، بلکہ فرزمرزا اسے یورپ
سے اغوا کر کے لایا ہے،

حلاج:- حسین ابن منصور حلاج، اصل نام حسین لیکن اُردو اور فارسی ادب میں منصور اور
حلاج کے ناموں سے مشہور ہیں، ۸۵۸ء میں ایران کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے، صوفی تھے
وحدۃ الوجود کے قائل تھے انا الحق کا دعویٰ کیا، اور اس کے صلے میں شہادت پائی،

غالب:- مرزا اسد اللہ خاں غالب، پیدائش ۱۷۹۷ء بمقام آگرہ ہندوستان کے

نامور اردو اور فارسی شاعر۔ اُن کے خطوط، اردو نثر کا نادر نمونہ ہیں، ۱۸۶۹ء میں بمقام دہلی انتقال کیا، مزار بستی نظام الدین اولیاء (نئی دہلی) میں مرجع عام و خاص ہے،

قرۃ العین طاہرہ:- اصل نام زرین تاج، والد کا نام مُلا صالح، وطن قزوین، حسن و جمال میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی، شادی کے بعد علی محمد باب کی تعلیمات پر ایمان لے آئی اور ان تعلیمات کی نشر و اشاعت میں سرگرمی سے مصروف ہو گئی، قرۃ العین کا خطاب اُسے باپ ہی نے دیا، گھر والے طاہرہ کہہ کر پکارتے تھے، چونکہ شوہر نے باب کی تعلیم قبول نہ کی اس لئے اس سے علیحدگی ہو گئی،

۱۸۵۲ء میں ناصر الدین قاچار شاہ ایران پر قاتلانہ حملہ ہوا، تو جو لوگ اس سازش میں ماخوذ ہوئے، اُن میں قرۃ العین بھی تھی، دوسرے مشتبہ بابیوں کے ساتھ اس کے قتل کا حکم بھی صادر ہوا، اور اُسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا،

جب قرۃ العین ایک مجرم کے طور پر شاہ ناصر الدین کے سامنے پیش ہوئی، تو اُس نے کہا کہ اس کے حُسن و جمال کی وجہ سے اسے رہا کر دیجئے، لیکن مفتیوں نے یہ شرط عائد کی کہ اگر وہ بابی مذہب ترک کر دے تو اس کی جان بخشی ہو سکتی ہے، طاہرہ نے یہ شرط قبول نہیں کی اور موت کا جام پینا گوارا کر لیا،

ابلیس:- شیطان - از روئے اسلام قوتِ شر کا مظہر، لغوی معنی ہیں، رحمتِ الٰہی سے ناامید، اقبال کے یہاں جہد و عمل مسلسل کی علامت کے طور پر بھی آیا ہے،

جعفر:- نام میر جعفر علی خاں، اس نے اپنے محسن و مربی نواب سراج الدولہ سے غداری کر کے اُس کے راز انگریزوں کو بتائے، اور غداری کے صلہ میں دوبارہ انگریزوں نے اُسے گدی پر بٹھایا، پہلی بار ۱۷۵۷ء میں اور دوسری بار ۱۷۶۳ء میں، ۱۷۶۵ء میں

وفات ہوئی،

صادق:- میر صادق پاراکاٹ (جنوبی ہند) میں پیدا ہوا، ترقی کر کے حیدر علی خاں کا معتمد خاص بنا، سلطان فتح علی خاں ٹیپو کے دور میں بھی اونچے منصب پر فائز ہوا، اور ترقی کرتے کرتے وزیر کے عہدے تک پہنچا، سلطان کا مقرب بنتے ہی در پردہ اس کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو گیا، اور اُس کے راز انگریزوں تک پہنچانا شروع کر دیئے، نتیجہ جو نکلا وہ ظاہر ہے، اس کی غداری ہی ٹیپو سلطان کی شہادت اور سلطنتِ میسور کی تباہی کا باعث ہوئی،

روحِ ہند:- ہندوستان کی لافانی تہذیب ایک علامت کی صورت میں، اقبال کے شاعرانہ تخیل کا ایک نہایت حسین منظر،

نیٹشے:- جرمنی کا ایک نامور مفکر، فریڈرک ولیم نیٹشے - تاریخِ ولادت ۱۵ راکتوبر ۱۸۴۴ء تاریخِ انتقال ۲۶ راگست ۱۹۰۰ء

سید علی ہمدانی:- ولادت ۱۳۱۴ء میں ایران کے شہر ہمدان میں ہوئی، سلطان شہاب الدین کے عہدِ حکومت میں کشمیر آئے، کشمیر کو وہ باغ سلیمان کہتے تھے، ۱۳۲۶ء میں سلطان قطب الدین کے زمانہ میں واپس ایران جا رہے تھے، کہ راستے میں انتقال ہوا، مزار ختلان میں ہے، سری نگر میں خانقاہ معلّیٰ اُن کی ایک عظیم الشان یادگار ہے،

ان کا شمار فارسی کے نامور صوفی شعراء میں ہوتا ہے، اُن کی چالیس غزلوں کا مجموعہ چہل اسرار کے نام سے مقبول خاص و عام ہے،

طاہر غنی:- مُلا طاہر غنی کاشمیری، سرزمین کشمیر کے مایہ ناز فارسی شاعر، محمد سعادت کشمیری نے تاریخ ولادت ۱۰۴۰ھ لکھی ہے، مگر محمد امین داراب نے تاریخ ولادت ۱۰۳۰ھ بتائی ہے،

سری نگر میں دفن ہوئے، قبر کے بارہ میں معلوم نہیں ہو سکا ہے، کہ کہاں ہے،

بھرتری ہری:- اجین کا مہاراج بھرتری ہری، عالم اور شاعر، "بھرتری ہری شتک" اُن کی مشہور کتاب ہے، بھرتری ہری کے زمانہ کے تعین میں اختلاف ہے، مختلف محققین نے ۵۹ قبل مسیح سے لے کر پہلی، دوسری اور تیسری صدی تک کی نشاندہی کی ہے،

نادر:- ایران کا بادشاہ نادر شاہ۔ اصل نام نادر قلی بیگ خراسان کے قریب ایک کسان کے گھر میں پیدا ہوا، تاریخ ولادت ۲۲ نومبر ۱۶۸۸ء ہے، ۸ مارچ ۱۷۳۶ء کو ایران کا بادشاہ بنا اور نادر شاہ کا لقب اختیار کیا،

۱۷۳۹ء میں سندھ اور لاہور پر قبضہ کرتا ہوا دہلی پہنچا، اور قتل عام کا حکم دیا، یہ قتل عام سات گھنٹے تک جاری رہا اور اس میں تیس ہزار انسان تیغ و تفنگ کا نشانہ بنے، ۲۰ اپریل ۱۷۴۷ء کو نادر شاہ اپنے دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہوا،

ابدالی:- اصل نام احمد خاں درّانی تھا، مگر احمد شاہ ابدالی کے نام سے مشہور ہوا، ۱۷۲۵ء میں بمقام ملتان پیدا ہوا، نادر شاہ کا سپہ سالار تھا، نادر شاہ کے قتل ہو جانے کے بعد افغانستان میں اپنی حکومت قائم کی، ہندوستان کی تاریخ میں پانی پت کی تیسری جنگ کی وجہ سے زیادہ شہرت ہوئی، ۱۷۷۲ء میں انتقال ہوا،

سلطان شہید:- اصل نام سلطان فتح علی خاں تھا، مگر ٹیپو سلطان کے نام سے شہرت پائی، سلطان حیدر علی خاں والی میسور کے گھر ۱۷۵۰ء میں پیدا ہوا، بہادری میں اپنی مثال آپ تھا، سولہ سال کی عمر میں پہلی بار ایک مہم کا سپہ سالار بنا،

تمام عمر برطانوی حکومت کے خلاف برسرِپیکار رہا، اور انگریزوں کے قدم سرزمین میسور پر نہ جمنے دئے، بالآخر میر صادق کی غداری کے باعث سرنگا پٹم کے معرکے میں شہید ہوا، اور میسور

انگریزوں کے ہاتھ میں آگیا،

ناصر خسرو: اصل نام ابو معین ناصر بن خسرو ہے، ۱۰۰۳ء میں بلخ کے قریب پیدا ہوا، ۱۰۸۸ء میں وفات پائی، اپنے وقت کا بہت بڑا عالم تھا، شاعری کے علاوہ نثر میں بھی کئی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں، یہ کتابیں فلسفیانہ اور صوفیانہ مباحث سے لبریز اور اسماعیلی مذہب سے متعلق ہیں، ایک تصنیف "سفر نامہ" کا ترجمہ انجمن ترقی اردو نے شائع کیا ہے،

حورانِ بہشتی:- جنت کی حوریں جن سے بہشت میں جانے کے بعد اقبال (زندہ رود) کی ملاقات ہوئی،

جمال:- لفظی معنی حسن یا خوبصورتی، یہاں ذات مطلق مراد ہے،

فخر الملک فضل اللہ العمید (توسکی)

از

جناب ڈاکٹر نور السعید اختر صاحب استاد شعبہ فارسی جہانگیر کالج، ہمبئی

مملوکیہ سلاطین کے شمس الملوک سلطان ایلتمش کے انتقال ۶۳۳ھ کے بعد دس سال تک ہندوستان کے تخت وتاج کے لیے اس کے جانشینوں میں خانہ جنگی ہوتی رہی۔ اس مختصر سے عرصہ میں کم وبیش پانچ حکمرانوں نے یکے بعد دیگرے حکومت کی لہذا اس سیاسی بحران کے باعث، فارسی ادب اور شاعری کی جانب خاطر خواہ توجہ نہ ہو سکی۔ سلطان رکن الدین فیروز (۶۳۳ھ تا ۶۳۴ھ) نہایت ادب نواز معارف دوست اور شعراء وادباء کا قدرداں تھا۔ لیکن اس کی حکومت مشکل سات ماہ تک قائم رہ سکی۔ اس نوجوان علم پرور بادشاہ کی موت ادبی وثقافتی اعتبار سے ایک سانحہ عظیم ثابت ہوئی، کیونکہ جوان سال شہزادے نے قلیل عرصے میں نہ صرف شعر وشاعری کے مذاق کو بلند کیا، بلکہ ان کا حقیقی ومعنوی مربی بن کر صحیح خدمت انجام دی، اس فرخ نژاد بادشاہ کی موت کے ٹھیک دس سال بعد از سر نو ایک خوش آیندہ دور کا آغاز ہوا۔ اور قلندر صفت سلطان ناصر الدین محمود نے مملوکیہ حکومت کی باگ ڈور ۶۴۴ھ مطابق ۱۲۴۶ء میں سنبھالی۔ سلطان ناصر الدین کا بائیس سالہ

دور حکومت (۶۶۴ھ مطابق ۱۲۶۶ء) گوناگوں وجوہ کی بنا پر کافی اہم ہے۔ طبقات ناصری کے مصنف قاضی منہاج الدین سراج (۶۵۸ھ) نے سلطان ناصر الدین محمود کو شمس الدین ایلتمش کا چھوٹا لڑکا بتایا ہے، ایلتمش کو چونکہ یہ لڑکا بہت عزیز تھا۔ لہذا اس کی پرورش اور تعلیم وتربیت میں سلطان نے خاص توجہ کی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ناصر الدین پر بھی ایلتمش کا مذہبی رنگ غالب آیا۔ اور زہد وتقوی، اور عبادت و ریاضت اس کی زندگی کا اہم جز بن گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے علم وادب کے ویرانے میں بہار آگئی۔ اسی بنا پر ابو القاسم فرشتہ نے مختصر لکھ کر دریا کو کوزے میں بند کردیا،

صلحا و علماء را دوست داشتے۔" (ص-۱۱)

سلطان ناصر الدین نے ۲۲ سال تک فقیرانہ رنگ میں حکومت کے فرائض انجام دیئے۔ سلطان کے زہد وتقوی کی داستانیں مشہور ہیں۔ جہاں تک ناصر الدین کی علمی وادبی زندگی کا تعلق ہے، ہمارے پاس ایسے تاریخی شواہد بہت کم ہیں۔ جنکی بنا پر ہم یہ کہہ سکیں، ناصر الدین کے صلحاء وعلماء کی فہرست میں کون لوگ شامل تھے اس میں شک نہیں کہ سلطان کو تمام اکابر علماء اور صوفیہ سے شیفتگی اور وابستگی رہی ہوگی، لیکن اس کی پوری تفصیل اس عہد کی کسی تاریخ میں موجود نہیں ہے۔ البتہ طبقات ناصری کے مصنف نے اس امر پر روشنی ڈالی ہے، کہ سلطان ناصر الدین کو قاضی منہاج الدین عثمان بن سراج الدین الجوزجانی سے کافی دلبستگی تھی۔ وہ رزم وبزم سفر وحضر میں برابر اس کے ساتھ رہتے تھے۔ طبقات ناصری کے علاوہ ہمارے لئے دوسرا مستند ماخذ تاج المآثر بھی ہے۔ لیکن اس کی مقفی ومسجع عبارت نے اس کے انداز بیان کو گنجلک بنادیا ہے، قاضی منہاج کے علاوہ اس وقت کے مشاہیر علماء میں شیخ علاء الدین

شعور، قانی، قاضی جلال الدین کاشانی، قاضی شمس الدین بہرائچی، شیخ الاسلام حضرت جلال الدین بسطامی اور مولانا سید قطب الدین وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

دربار کے شعراء میں دو ہی قابلِ قدر ہستیاں تھیں۔ ایک قاضی منہاج الدین سراج تھے، اور دوسرے فخر الملک عمید الدین عمید سنامی۔ مولانا منہاج ایک مورخ اور واعظ کی حیثیت سے زیادہ معروف ہیں۔ ان کی شاعرانہ عظمت کا ذکر سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب نے بزم مملوکیہ میں[1] تفصیلی طور پر پیش کیا ہے۔ موصوف نے عہد محمود کے دوسرے آفتاب عالم تاب اور ستون قصر سخن، عمید سے متعلق کاوش تحقیق و جستجو سے کام لیکر حتی الامکان معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ اور اس کے دستیاب شدہ کلام پر تبصرہ بھی تحریر کیا ہے۔ لیکن وہ معلومات کی کمی کے معترف ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں[2]

"عمید سے متعلق اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس سے ناظرین کو اندازہ ہوا ہوگا کہ وہ اپنے زمانے میں فارسی زبان کا ایک جلیل القدر، فصیح البیان اور قادر الکلام شاعر تھا۔ لیکن وہ اتنا مشہور نہیں ہوا جتنا کہ وہ مستحق تھا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے اس کی زندگی میں خسرو کی شاعری کا نیر اعظم بلند ہو رہا تھا، اور جب وہ نصف النہار کو پہنچا تو عمید بھی اور شاعروں کی طرح ماند پڑ گیا۔ اور افسوس ہے کہ اس کا کلام زمانہ کے دست برد کی نذر ہو گیا۔ ملا عبدالقادر بدایونی ہی کے وقت میں اس کا کلام عزیز الوجود ہو گیا تھا۔ لیکن ملا صاحب نے ازراہ علم نوازی اسکے بہت سے قصائد اپنی تاریخ میں جمع کر دئے ہیں، اور کلام کے کچھ نمونے عرفات العاشقین، خلاصۃ الاشعار، اور مجمع الفصحاء میں بھی محفوظ ہیں، اور یہی اس شاعر کی

[1] سید صباح الدین بزم مملوکیہ ص ۱۹۷ [2] ایضاً ص ۲۲۰

کل کائنات رہ گئی ہے۔ پھر بھی جو کچھ باقی ہے۔ اس کو ایک باکمال اور مایہ ناز اہل فن ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے۔"[1]

سید صباح الدین صاحب کے بیان کے مطابق ملا عبدالقادر بدایونی نے سلطان ناصر الدین محمود کے عہد میں امیر فخر الدین عمید کا طویل تعارف پیش کیا ہے۔ بدایونی نے اپنی تاریخ میں وہ قصیدہ بھی نقل کیا جو اس نے سلطان کی تخت نشینی کے موقع پر دیگر شعراء کے مقابلہ میں پیش کیا تھا۔ بدایونی نے اس قصیدے کی تعریف کی ہے۔ کیونکہ عمید نے اس قصیدے میں ناخن ردیف کا استعمال کیا ہے اور مضامین میں تنوع اور بوقلمونی پیدا کی ہے۔ اس قصیدے میں عمید نے اپنے ممدوح کو ان الفاظ میں یاد کیا تھا۔

شہنشہ ناصر دنیا و دین محمود کز غلبش ۔۔۔ بمنقار افگند تیہو ز باز تیز پر ناخن

ردیف ناخن آوردم درین شعر کہ سحر آمد ۔۔۔ بلے در سحر کار آید لبان موئے سر ناخن

راقم السطور کو چند سال قبل عمید کا کچھ نایاب کلام دستیاب ہوا تھا۔ لیکن اس کی عقدہ کشائی میں چند مرحلے حائل تھے، اور پھر ایک دن مہاراشٹر کالج کی نگراں کتب خانہ مس خدیجہ وکیل نے اتفاقاً کچھ ایسا مواد اور حوالے بہم پہنچا دئے جنھوں نے سید صباح الدین صاحب کے روشن کردہ چراغوں کی لو اور تیز کر دی۔ تحقیق کا میدان وسیع و عریض ہے، ہر نئی تحقیق، اختتام نہیں بلکہ تکملہ ہوتی ہے۔ اور محقق جلے ہوئے چراغوں کی مدد سے مزید تلاش و جستجو کرتا رہتا ہے۔ سید صاحب نے عمید کے حیات و کلام سے متعلق بزم مملوکیہ میں جو شمع روشن کی ہے۔ راقم نے اس کی ضو افشانی میں اضافہ کی کوشش کی ہے۔

[1] سید صباح الدین، بزم مملوکیہ ص ۲۲۰۔ [2] منتخب التواریخ بدایونی ج ا ص ۹۴-۹۹

(بحوالہ بزم مملوکیہ)

کلام عمید کے مخطوطے کا تعارف

یہ کوئی چھ برس قبل کا واقعہ ہوگا کہ راقم اپنے تحقیقی مقالے کے سلسلے میں مواد اکٹھا کر رہا تھا کہ ایک دن دوران گفتگو میں ایک صاحب[۱] نے جن کا آبائی وطن اعظم گڑھ ہے۔ ذکر کیا کہ ان کے پاس ایک قدیم مخطوطہ ہے جس میں شہنشاہ محمد بن تغلق کی بابت کافی حوالے موجود ہیں۔ راقم کے اصرار پر صاحب موصوف نے مخطوطہ نہایت احتیاط سے دکھایا۔ اس مخطوطے کے مطالعہ کے بعد راقم نے اسکی اہمیت اور نایابی کا اندازہ لگایا۔ اور ضروری نوٹس حاصل کر لیے۔ اس مخطوطے کے مزید مطالعہ کے بعد یہ راز کھلا کہ اس میں دو اہم شعراء کا کلام موجود ہے، یہ کلیات کل ۵۰۸ صفحات پر مشتمل ہے، ابتدا سے لیکر ۲۶۰ صفحات تک عہد تغلق کے مشہور قصیدہ گو شاعر بدر الدین بدر شاشی (موجودہ تاشقند) کا کلام موجود ہے، اور اسکے بعد سے اختتام تک فخر الملک خواجہ فضل اللہ عمید کا کلام، جس میں قصائد، نعتیں، غزلیں اور چند رباعیاں بھی موجود ہیں۔ اس مخطوطے کا سائز ۶×۴ ہے ہر صفحے پر چودہ ۱۴ اشعار منقول ہیں کاغذ کافی قدیم، دبیز اور کہیں کہیں کرم خوردہ ہے۔ خط نستعلیق ہے۔ حرف س کو واضح کرنے کے لیے اس کے نیچے تین نقطے دیے گئے ہیں دیوان کے ابتدائی صفحے مطلا ومحشی ہیں۔ حاشیہ آرائی اور گل بوٹوں کے لئے سنہری سیاہی استعمال کی گئی ہے۔

مخطوطے کی ابتدا بدر شاشی کے قصیدے کے اس شعر سے ہوتی ہے۔

زنور قبۂ زرین آئینہ تمثال زمین بنقشہ فسرد پوشد آتشین سربال

۱؎ جناب فخر احمد صاحب، مدرس بیگ محمد ہائی اسکول۔ یہ مخطوطہ صاحب موصوف نے مولانا آزاد لائبریری کو ایک ہزار روپے میں فروخت کر دیا۔

انتہا عمید کے شاندار قصیدے کے اس شعر سے ہوتی ہے۔

دستان تو ار مدح شد خاطر عمید زان سان کہ شد جرس دمیدہ سناں از بسی

عمید کا نام خطاب اور وطن

عمید کے نام، خطاب اور وطن سے متعلق تذکرہ نگاروں اور مورخوں نے مندرجۂ ذیل معلومات بہم پہنچائی ہیں۔

(۱) ملا عبد القادر بدایونی نے منتخب التواریخ ۱۰۰۴ھ میں عمید کے نام وخطاب کی بابت دو الگ الگ باتیں لکھی ہیں۔ ایک جگہ وہ اسے ملک الکلام فخر الملک عمید تولکی لکھتے ہیں۔ اور دوسری طرف اسے ملک الملوک والکلام امیر فخر الدین تولکی لکھتے ہیں[۱]۔

(۲) تذکرہ عرفات العاشقین میں تقی اوحدی ۱۰۲۴ھ میں عمید کا نام خواجہ فخر الدولہ عمید الدین الدیلمی درج ہے۔ عرفات میں مزید یہ بھی ہے

"نشاش سام بود ہذا گفتہ آید تا ابد از وے گرفت سام نام[۲]"

(۳) مجمع الفصحاء میں رضا قلی خان نے عمید (۱۲۸۴ھ) کی نسبت تولکی بتائی ہے[۳]۔

(۴) گل رعنا کا مولف لچھمی نراین شفیق (۱۱۸۲ھ) عمید کو تولکی اور سنامی ظاہر کرتا ہے[۴]۔

(۵) لطف علی بیگ آذر تذکرہ آتشکدہ (۱۱۹۳ھ) میں عمید کا خطاب فخر الدولہ اور نام عمید الدین لکھتا ہے۔ عمید کے وطن کے متعلق آتشکدہ کا مولف رقمطراز ہے۔ "اصلش از دیار دیلمانست"[۵]

۱؎ بحوالہ بزم مملوکیہ از سید صباح الدین ص ۲۰۳ - ۲۰۲ ۲؎ ایضاً ۳؎ ایضاً ۴؎ ایضاً
۵؎ ایضاً

اس ضمن میں مجمع الفصحا، کے مولف رضا قلی خان کی تحریر نظر انداز نہیں کی جا سکتی[1]

فخر الملک خواجہ عمید الدین گویند نہ از دیلم اشت واز ہندوستانست وخنا شناسام بودہ، بعضے اورا چنانچہ ارشارتے شد۔ از اہل گیلان مین بلاد دار المرز وطبرستان دانند، ہمانا از گیلان بودہ، نہ بہ ہندوستان رفتہ ودیالمہ اہل آن دلایت راگویند، وے را عمید تولکی ۔ ہم نامند، سبب آن معلوم نشدہ ۔ بہرصورت مقصود و اشعار وگفتار است نہ مولد نہ مضجع[2]

مندرجۂ بالا مختلف النوع بیانات کی روشنی میں، عمید کے نام، خطاب اور وطن سے متعلق کوئی مُصدّقہ رائے قائم کرنا مشکل ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں، سید صباح الدین نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ "ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عمید الدین تو نام اور ملک الکلام فخر الدین، فخر الدولہ، مفخر الفضلاء، خطاب تھا، لیکن ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی ایک خطاب ہوگا۔ اور یہ خطاب یا تو دربار سے ملا ہوگا یا مورخوں اور تذکرہ نویسوں نے یہ القاب شاعر کی شاعرانہ و علمی عظمت کے لحاظ سے اپنی طرف سے لکھ دیئے[3]۔ سید صاحب نے عمید کے وطن کی بابت یوں صراحت کی ہے کہ " ان گنجلک بیانات کی بنا پر یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ شاعر کا آبائی وطن دیلم قصبۂ تولک تھا۔[3]

مندرجۂ بالا بیانات کو مورخوں اور تذکرہ نویسوں کی خامہ فرسائیوں پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ عمید کا کلام آج تک نایاب تھا۔ عمید کے دیوان کی دستیابی سے نہ صرف ہماری معلومات میں بیش بہا اضافہ ہوا ہے بلکہ اس میں ایسے داخلی حوالے

---

[1] بزم مملوکیہ ص ۲۰۳ [2] ایضاً [3] ایضاً

اور شواہد پائے گئے ہیں۔ جن کی مدد سے اس کے صحیح خطاب، نام اور وطن کی تصدیق ہوتی ہے۔

نام — راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق عمید کا پورا نام عمید الدین نہیں۔ بلکہ فضل اللہ تھا۔ اس امر کی تصدیق مندرجۂ ذیل اشعار سے ہوتی ہے۔ ؎

عمید اسم تو فضل اللہ بودی منزل ار گردد … اگر بر فرق تو سایہ ندارد فضل ہستی[1]

عمید نے ایک طویل نعت میں اس حقیقت کی طرف دوبارہ ہماری توجہ مبذول کی ہے۔ وہ کہتے ہیں ؎

مبادو روز بان عمید سوختہ دل … بوقت شغل مگر لا الہ الا اللہ[2]

ردیف ساختم اسمی کہ خواندش بچہ بار[4] … دہا بجملہ مفسر لا الہ الا اللہ[3]

خطاب — عمید کے خطاب اور عہدے کی طرف، عہد تغلق کے ملک الشعراء بدر الدین بدر شاشی (موجودہ تاشقند) نے کافی اشارے کئے ہیں۔ تذکرہ نویسوں اور مورخوں نے بھی لکھا ہے کہ خواجہ عمید مشرف الممالک کے عہدے پر فائز تھے۔ خود عمید نے اپنے جیسے قصیدے میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔ لہذا بدر شاشی کے اشعار ملاحظہ ہوں جو غالباً عمید کا شاگرد رہا ہوگا۔ یا اس درجہ کا ہوگا۔ کیونکہ اس نے عمید کو ایک بزرگ تسلیم کیا ہے۔

ایا بزرگ عمیدی کجا پایہ قدر … بہر چہ دہم مدد رہ بزد تو روز بری[4]

ز روشنی رُخ او گفتی مثال پند … ز رای روشن خواجۂ عمید ملک پناہ[5]

فخار آل عمری خواجہ عمید شرف … وزیر راو شہنشاہ ابن شاہنشاہ[6]

---

[1] کلیات بدر چاچی (تاشقندی) و عمید تولکی۔ [2] کلیات بدر و عمید ص ۲۶۸ [3] ایضاً

[4] کلیات بدر [5] ایضاً [6] کلیات بدر و عمید۔

آیا بزرگ عمیدی کہ ارمغانی خوب — عروس نظم پرید ز مدح تو زیور[1]

مندرجۂ بالا اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ خواجہ عمید ایک بلند پایہ شخصیت کے مالک تھے، ذیل کے قصیدے میں بھی بدر شاشی عمید کی بزرگی، سخن فہمی، علمیت اور اس کی دیگر صفات کا معترف ہے۔ ؎

منت تو گردن من بندہ را — سخت یکبار گرانبار کرد
بندہ مدیح تو بمقدار گفت — جود تو احسان نہ بمقدار کرد
قیمت شعر تو از او بیاموختست — ہر کہ خریداری اشعار کرد
چشم دلم تیرہ و در خواب بزد — جود تو اش روشن و بیدار کرد
در شعر نامم ظاہر بنود — بخشش تو نام من اظہار کرد
مرا دوا دربانی نہ کردہ عطاست — ہنر و مدح ہمی بر درم زبان دربان
روان بہر نگاری کہ او دست فخر زمین — زبان بمدح بزرگی کہ او دست فخر زمان
وجیہہ دولت ابو عاصم آنکہ عصمت او — ہمی حصار کند بر حریم جود و سخنان[2]

مندرجۂ بالا شواہد کی روشنی میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ عمید کی علمی فضیلت کے پیش نظر بادشاہ وقت نے اسے فخر الزماں اور ذہنی مرتبے کے مد نظر اسے فخر الملک جیسے اعلیٰ خطاب سے نوازا ہوگا۔ غالباً اسی وجہ سے منتخب التواریخ کے مصنف عبدالقادر بدایونی نے عمید کو ملک الملوک والکلام امیر فخر الدین کہا ہے۔

وطن عمید کے وطن کے سلسلے میں تمام مورخین اور تذکرہ نگاروں کو تسامح ہوا ہے۔ حتی کہ ڈاکٹر اقبال حسین، پروفیسر محمود شیرانی، اور سید صباح الدین صاحب نے بھی

۱؎ کلیات بدر و عمید ۲؎ کلیات بدر و عمید ص ۱۴۲

کوئی صحیح رہنمائی نہیں کی، ڈاکٹر اقبال حسین نے عمید کا آبائی وطن تونک[1] بتایا ہے، مرحوم[2] شیرانی صاحب اور سید صباح الدین صاحب[3] غور کے قصبہ تولک کو عمید کا آبائی وطن قرار دیتے ہیں، لیکن راقم الحروف کی تحقیق ان تمام صاحبان سے بالکل مختلف ہے۔ راقم کا خیال ہے کہ عمید کا آبائی وطن تومک (ذ ، ب) ایران ہے، جو کابل اور ہمدان کے درمیان واقع ہے، ممکن ہے کہ کسی شخص نے کلیات بدر نقل کی ہے، تو فضل اللہ عمید تولکی کا دیوان بھی اسی کے ساتھ نقل کر دیا ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ تومک کو کاتبوں نے تومک اتو کی مسخ کیا ہو، تذکرۂ علمائے ہند کے مولف مولوی رحمٰن علی نے ص ۵۱ پر ایک بزرگ بنام حافظ تولکی کا ذکر خیر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں۔ ؎

حافظ تولکی تاشکندی، حافظ کے نام سے مشہور تھے، ۹۷۰ھ میں برصغیر ہند و پاکستان آئے اور اکبر بادشاہ کی ملازمت سے مشرف ہوئے"[4]

تولکی اور تومک کی قرابت ہمارے خیال کو یقین میں بدل دیتی ہے۔ نیز خود عمید نے تولکی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

فلک بہ نزد یرسقفت عمید تولکی کس — مشبہ ریکاح معنی ز جنس قصیدہ تلم[5]

اسی نعتیہ قصیدے میں عمید رستم کے ملک مازندران کی طرف بھی اپنی نسبت ظاہر کرتا ہے۔

۱؎ ارلی پرشین پوئٹس آف انڈیا، از ڈاکٹر اقبال حسین (انگریزی) جامعہ پٹنہ ۱۹۳۷ء ۲؎ رسالہ اردو جنوری سنہ ۱۹۴۳ء ص ،، ۳؎ بزم مملوکیہ سید صباح الدین ص ۲۰۳ ۴؎ تذکرۂ علمائے ہند از مولوی رحمٰن علی ص ۵۱ کراچی ۱۹۶۱ء ۵؎ کلیات بدر و عمید ص ۳۵۱۔

حشر غزا، گرفتہ ہمہ دار ملک کسریٰ — وطنی گزیدہ اکنون بما حکاو رستم[۱]

تذکرہ مجمع الفصحاء کے مولف نے عمید کو دیلمی و گیلانی الاصل قرار دیا ہے۔ جو صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ پروفیسر محمود شیرانی نے دراصل ایک واضح بات کہکر ایک بڑے تنازعہ کا فیصلہ کر دیا ہے۔ شیرانی صاحب نے ڈاکٹر اقبال حسین کے مطبوعہ مقالے پر تبصرہ کرتے ہوئے رسالہ اردو بابت جنوری ۱۹۴۲ء میں تحریر کیا کہ "پروفیسر (ڈاکٹر) اقبال حسین اس کو سنامی کیوں نہیں کہتے۔ عمید کے اشعار سے پایا جاتا ہے کہ اس کا وطن سنام ہے۔ ڈاکٹر اقبال حسین بھی عمید کو فارسی کا قدیم ہندوستانی شاعر تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے اس بیان کی تائید عمید کے اس مصرعہ سے بھی ہوتی ہے۔[۲]

تا ابد از وے گرفت سنام نام[۳]۔

لہٰذا اس ساری بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ تومک (روس) عمید کا آبائی وطن تھا، اور ہندوستان میں اس کا اصل جنم بھوم سنام تھا۔ جسے اس نے اپنی شہرت دناموری کے باعث زندۂ جاوید بنا دیا۔

ولادت | عمید کی تاریخ پیدائش کے تعین میں ہرگز دو رائیں نہیں ہو سکتیں عمید نے ایک قصیدے میں اس طرف واضح اشارہ کر دیا ہے۔ ڈاکٹر اقبال حسین نے بھی اس امر کی تائید کی ہے، اور سید صباح الدین صاحب نے مجمع الفصحاء گل رعنا اور ریاض الشعراء میں دی گئی ولادت کی تاریخ ۶۵۵ھ کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ اور عمید کے اشعار کی مدد سے صحیح تاریخ پیش کی ہے۔ جس کی تائید منتخب التواریخ

۱؎ کلیات بدر و عمید ص ۱۵۱ ۲؎ ارلی پرشین پوئٹس آف انڈیا از ڈاکٹر اقبال حسین ص ۱۹۲ ۳؎ بزم مملوکیہ ص ۲۰۳

کا مترجم رینکنگ[۴] بھی کرتا ہے۔

بادب اگرچہ پیش ازیں بود مرا دل و جگر — خستۂ دلبر چگل بستۂ گلرخ یرک

در سر نون و دال عمر از پس خا و نون و ہا — شکر کہ مرغ ہمتم رست بجہد زین شرک[۵]

سید صباح الدین لکھتے ہیں کہ "دوسرے شعر میں ن اور د کے ۵۴ اور خ ن ھ کے ۶۵۵ ہوئے۔ شعر میں پس خا و نون وہا ہے یعنی ۶۵۵ سے ۵۴ گھٹا لیا جائے تو ۶۰۱ھ ہوئے۔[۶]

علاوہ ازیں عمید کی ولادت کے سنہ کے بارے میں تذکرہ نگاروں کے بیانات اور بھی بے معنی ہو جاتے ہیں۔ جب ہمیں عمید کے یہاں ایک ایسا تاریخی حوالہ ملتا ہے جس سے سید صباح الدین صاحب کی تحقیق کو مزید قوت ملتا ہے۔ عمید کے ایک قصیدے کا مقطع ہے:

من اندر شصت، این صد و یک بیت بر بستم — زا بہ شصد و پنجاہ و ہشت از فضل ربانی[۷]

استادِ عمید | عمید کے کلام میں ایسا کوئی بھی حوالہ دستیاب نہیں ہوتا جس سے اس حقیقت کا انکشاف ہو سکے۔ البتہ سید صباح الدین عبدالقادر بدایونی کے حوالے سے رقمطراز ہیں

Yeli The begining of The nun and dal of my al age (54) after The year Kha and nun and hia (655 H.) The above shows That Amid tumaki was born in The year 601 H. Tr. Page No 154- amun ta Khad- ut Tawarikh)

۴؎ بزم مملوکیہ ص ۲۰۲ ۵؎ ایضاً ص ۲۰۲

۶؎ کلیات بدر و عمید ص ۳۲۰

کہ عمید، مولانا شہاب الدین مہمرہ (سنامی) کو استاد کی حیثیت سے یاد کرتے ہیں ؎

"ملک الکلام فخر الملک عمید تولکی (تونکی)، او (یعنی شہاب الدین

مہمرہ) را استاد کردہ"۔

عمید، مستوفی و مشرف الممالک | عرفات کا مولف تقی اوحدی، عمید کے عہد سے متعلق

لکھتا ہے: - - - - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - -)

"معاصر سلطان محمد بلبن ودی ملازمت آن بادشاہ کردی و در دیوان دولت

او باشراف مفوض بودی"۔

بدر شاشی (تاشقندی) نے بھی ایک قصیدے میں اس حقیقت کا اعتراف کیا

ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ ؎

فخار آل بمری خواجہ عمید شرف	وزیر راو شہنشاہ ابن شاہنشاہ

عمید نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔ ؎

شغل اشرافی کہ من بر وجہ احسن کردہ ام	کار بر عکس است ورنہ خود کہ ز زہد کشد

سید صباح الدین صاحب نے مختلف بیانات اور شواہد کی روشنی میں یہ بات

پایہ تکمیل کو پہنچادی ہے۔ کہ عمید سلطان بلبن کے نہیں۔ بلکہ سلطان ناصر الدین محمود کے

عہد میں مستوفی الممالک تھا۔ اس خیال کی تائید مخزن الغرائب کے مولف کے اس

بیان سے بھی ہوتی ہے کہ "مفخر الفضلا، خواجہ عمید مستوفی و مشرف جمیع ممالک ہندوستان

؎ بحوالہ بزم مملوکیہ ص ۱۵۳۔ ؎ ایضاً ص ۲۰۵

؎ کلیات بدر و عمید (منقولہ) ؎ بحوالہ بزم مملوکیہ ص ۲۰۸۔

بود در عہد سلطان ناصر الدین"۔

عمید کی قید و رہائی | عمید کی حیات کا ایک ناقابلِ فراموش واقعہ اس کی قید و بند کی

زندگی ہے، یہ واقعہ غالباً اس کی زندگی کے ۵۰ ویں سال سے قبل پیش

آیا تھا۔ عمید نے جس قصیدے میں نہایت عجز و انکسار کے ساتھ خورد و برد اور غبن

سے پاک رہنے کا دعویٰ کیا ہے۔ عمید کے پاس دولت و ثروت کی کمی نہ تھی، امرا کا

دربار میں انکا دخل تھا۔ عمید یقیناً سیاسی ریشہ دوانیوں اور بادشاہ وقت

کی غلط فہمی کا شکار ہوئے۔ ممکن ہے۔ ان کے حاسدوں نے ناصر الدین محمود کے کان

بھر دئے ہوں۔ اور بادشاہ بد دل ہوگیا ہو۔ چنانچہ ان حقائق کی نشاندہی عمید کے

مندرجہ ذیل اشعار سے ہوتی ہے۔ ؎

در بند من ندید کسی نیم دانگ زر	در دیدہ بہر آن نکنم اختیار بند
در چشم من عزیز نبود نخود دست کی نہم	بر زر بہ دوازدہ چون سود خوار بند
دارم چو آب زر سخن و زر کسی دگر	اینجا کشاے پنجہ و آنجا گمار بند

راقم الحروف کا خیال ہے کہ ۔۔۔ ۶۵۸ھ میں عمید قید سے رہا ہوئے۔

مندرجہ ذیل شعر میں لفظ "بعد" سے ہماری توجہ اس طرف مرکوز ہوتی ہے۔

من اندر شب این صد دیک بیت بر بستم	ز بعد ششصد و پنجاہ و ہشت از فضل ربانی

عمید کا انتقال | عمید کے سالِ وفات کا صحیح طور پر علم نہیں ہے۔ تذکرۃ الشعرا

کے مؤلف عبد الغنی نے عمید کے انتقال کا سنہ ۶۰۹ھ لکھا ہے۔ اس امر کی

تصدیق انھوں نے کسی مستند حوالے سے نہیں کی۔ عبد الغنی صاحب کے دئے ہوئے

؎ منتخب التواریخ جلد اول ص ۱۱۲ مطبوعہ ۱۸۶۸ء

سنہ کے اعتبار سے عمید کی عمر ۱۰۸ برس قرار پاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب عمید نے ہوش سنبھالا تو دہلی کے تخت پر سلطان شمس الدین التمش متمکن تھا۔ اور جب ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز ہوئی، تو سلطان علاء الدین خلجی کے رعب و دبدبہ کا پرچم لہرا رہا تھا۔ اگر عمید کی عمر صد سالہ تسلیم کرلی جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انھوں نے ہندوستان کے تخت پر دس بادشاہوں کو دیکھا تھا، لیکن ڈاکٹر اقبال حسین[۵۱] اس نکتہ پر ایک نہایت نازک اور قابل اعتنا دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "جب سلطان بلبن کا لڑکا محمد ۶۸۳ھ سے قبل منگولیوں کے حملے میں لقمہ اجل ہوا۔ تو امیر خسرو اور میر حسن سنجری نے اس دردناک سانحہ پر مراثی لکھے۔ اور حیرت ہے کہ عمید جیسا قادر الکلام اور جلیل القدر شاعر خاموش رہا ہو۔ جس نے بقول خود تمام عمر مداحی اور غزل سرائی کا دعویٰ کیا ہو،[۵۲]

عمر بسر شدم بسی در مدحت و غزل — خشک نشد سر قلم یکنفم ز صد ہنر

راقم الحروف کا خیال ہے کہ ۶۸۳ھ کے آس پاس عمید نے سرائے فانی سے کوچ کیا۔ سید صباح الدین نے بھی یہی نتیجہ نکالا ہے۔ البتہ عمید کے انتقال کی بابت آتشکدہ کے مولف کا بیان سرتاسر بے بنیاد ہے۔ آتشکدہ کے مولف نے عمید کی عمر ۷۵ برس بتائی ہے۔ اس اعتبار سے عمید کی موت ۷۵۵ھ میں ہو جانی چاہئے تھی لیکن راقم نے عمید کی قید و رہائی کے واقعہ پر روشنی ڈالتے ہوئے عمید کا ایک ایسا شعر پیش کیا ہے، جس کے مطابق عمید کا ۶۸۵ھ تک زندہ رہنے کا داخلی ثبوت ملتا ہے۔ (باقی)

---

[۵۱] ارلی پرشین پوئٹس آف انڈیا، ڈاکٹر اقبال حسین ص ۲۰۳

[۵۲] کلیات بدر و عمید ص ۳۱۲

عربی شاعری مغلوں کے عہد میں

از: مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم

(۳)

مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم کے اس مضمون کی یہ آخری قسط ہے۔ دار المصنفین کے پیش نظر تھا کہ شعر العجم اور شعر الہند کی طرح شعر العرب کے نام سے عربی ادب کی ایک تاریخ بھی شایع کی جائے، مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم کے ادبی مذاق کی بنا پر یہ خدمت ان کے سپرد کی گئی تھی، یہ اب سے چالیس پچاس برس پہلے کی بات ہے، اس وقت عربی میں بھی یہ موضوع نیا تھا، اور جرجی زیدان کی تاریخ آداب اللغۃ العربیہ ہی قابل ذکر کتاب تھی اب اس موضوع پر بہت کام ہو چکا ہے اور مستند تاریخیں بھی شایع ہو چکی ہیں، لیکن ہم نے مرحوم کے ادب و انشا کے قدردانوں کی ضیافت طبع کیلئے اسے شائع کردیا ہے" (معارف)

شہاب الدین الحجازی المتوفی ۸۷۵ھ

ابو الطیب احمد بن محمد الانصاری الخزرجی القضاعی نے بہت سے لوگوں سے تحصیل علم کی یہانتک کہ خود بہت بڑا ادیب ہو گیا، اس کی تصنیفات میں چند ادبی مجموعے ہیں۔

(۱) روض الآداب، مطولات، موشحات، ازجال، قطعات، نثریات، حکایات میں اس کو چند ابواب پر مرتب کیا ہے، اور قافیہ کے اعتبار سے ہر باب کی ترتیب حروف تہجی کے مطابق دی ہے، اور اس کے نسخے یورپ کے مشہور کتب خانوں میں ہیں، اور کتب خا

خدیویہ میں اوس کا نسخہ ۲۰۰ صفحات میں ہے، اور بمبئی میں ۱۳۰۹ھ میں چھپ گیا ہے۔

(۲) اللمع الشہابیہ من البروج الحجازیۃ اوس کا دیوان ہے، اور اسکوریال میں موجود ہے۔

(۳) نیل الرائد فی النیل الزائد ایک علمی کتاب ہے۔ اور مختلف زمانوں میں نیل کا پانی جس قدر بڑھتا ہے، اوس کی فہرست ہے، اوس کے نسخے پیرس اور برٹش میوزیم میں ہیں۔

(۴) الکناس لمعی الجواری فی الحسان من الجواری
(۵) تحفۃ الولدان فی الحسان من الغلمان
} یہ دونوں کتابیں وائنا میں ہیں۔

(۶) کتاب فی العروض۔ برلن اور گوٹا میں موجود ہیں۔ (حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۳۳۰)

۱۵۔ ابن سودون المتوفی ۸۶۸ھ | نور الدین ابو الحسن علی بن سودون السخاوی ۸۱۰ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوا۔ اور وہیں فقہ کی تعلیم حاصل کی، اور شام کا سفر کیا۔ اور دمشق میں ۸۶۸ھ یا ۸۶۹ھ میں وفات پائی۔ اوس کی تصنیفات یہ ہیں

(۱) نزہۃ النفوس ومضحک العبوس، اشعار ونکات کا مجموعہ ہے، اوس نے اس کے دو حصے کیے ہیں، ایک میں مدحیہ اور سنجیدہ کلام ہے، دوسرے میں ہزلیات ہیں یورپ وغیرہ کے کتب خانوں میں اوس کے نسخے ہیں، اور ۱۲۸۰ھ میں مصر میں چھپا ہے۔

(۲) قرۃ الناظر ونزہۃ الخاطر یہ دوسرا مجموعہ ہے جس کو اوس نے نزہۃ النفوس سے انتخاب کیا ہے، کتب خانہ خدیویہ میں اس کا ایک نسخہ ہے۔ اور اوس کے دو مقامات برلن میں ہیں۔

۱۶۔ تاج الدین بن عرب شاہ المتوفی ۹۰۱ھ | تاج الدین عبد الوہاب بن احمد بن محمد بن عرب شاہ

ابن ابی بکر القرشی العثمانی مورخ تیمور کا فرزند ہے، وہ طرخان میں پیدا ہوا، اور اپنے باپ کے ساتھ دمشق میں، پھر قاہرہ میں آیا، اور وہیں انتقال کیا، اوس کے متعدد قصائد یورپ کے کتب خانوں میں ہیں، ایک قصیدہ کا نام

(۱) شفاء الکلم بمدح النبی الکریم ہے، اوس میں ایک مقدمہ اور خاتمہ بھی اور وہ گوٹا میں ہے، دوسرے کا نام

(۲) مرشد الناسک لاداء المناسک۔ بارہ سو اشعار کا ہے، اور گوٹا میں موجود ہے، اوس کے اور بھی بہت سے قصائد برلن میں ہیں۔

۱۷۔ قنصوہ الغوری المتوفی ۹۲۲ھ | وہ سلاطین ممالیک میں سے ایک بادشاہ ہے۔ سلطان سلیم عثمانی کے ساتھ [illegible] نے جو جنگ کی تھی، اوس میں مرج دابق میں قتل کیا گیا، وہ شاعر تھا، اور ایک دیوان اپنی یادگار میں چھوڑا ہے، اوس کا ایک نسخہ وائنا میں ہے، کتاب المنقطع الظریف علی الموشح الشریف بھی اوس کی ہے، اور وہ گوٹا میں ہے، کشف الظنون میں سیوطی کی ایک کتاب کا بھی یہی نام مذکور ہے۔

ان کے علاوہ مصر وشام میں دوسرے شعراء نے بھی شہرت حاصل کی لیکن چونکہ انھوں نے اپنی ادبی یادگاریں بہت کم چھوڑی ہیں، اس لیے ہم نے اون کو نظر انداز کر دیا ہے، البتہ صرف چند شعراء کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔

۱۸۔ برہان الدین الجعبری (م ۷۳۲ھ) | اس کا دیوان ۱۸۳۴ء میں مصر میں چھپا ہے۔

۱۹۔ شمس الدین الخیاط الضفدع (م ۷۵۶ھ) | اس کا دیوان اسکوریال میں ہے۔

۲۰۔ ابن سعید الخفاجی جو ابن سنان الحلبی کے نام سے مشہور ہے، اوس کا ایک دیوان اسکوریال میں ہے، اور ایک کتاب سر الفصاحۃ کتب خانہ خدیویہ میں۔

۲۱۔ اسمٰعیل القراطی ابو الولید، المتوفی ۷۱۱ھ۔ | اس کی تصنیفات میں کتاب البدیع فی وصف الربیع ہے، جس میں اندلسیوں کے منتخب اشعار ہیں اور وہ اسکوریال میں ہے

۲۲۔ ابن العطار الجمیری متوفی ۷۹۴ھ۔ | موشحات نبویہ کا مصنف ہے۔ اور وہ گوتا میں ہے۔

۲۳۔ جلال الدین بن خطیب داریا، متوفی ۸۱۰ھ | اوس کا ایک قصیدہ برلن میں ہے۔

۲۴۔ عز الدین بن ابی الفرات القاہری، (م ۸۵۱ھ) | اس کا دیوان برلن میں ہے۔

۲۵۔ تاج الدین بن ابی الوفا المقدسی (م ۸۵۶ھ) | اس کا ایک دیوان حروف تہجی کے مطابق برلن میں ہے۔

۲۶۔ ابن عیسیٰ المقدسی۔ | اوس نے ۸۳۳ھ میں ایک کتاب "الجوہر المکنون فی سبعة الفنون" [illegible] فنون شعر میں لکھی، جس کا ایک نسخہ اسکوریال میں ہے۔

۲۷۔ شہاب الدین ابن الہائم | اوس کا ایک دیوان بترتیب حروف تہجی [illegible] پیرس اور اسکوریال میں ہے۔

۲۸۔ ابن الجیعان القبطی متوفی ۹۰۲ھ۔ | اوس کی ایک کتاب "مسائل الدموع علی ما تفرق من المجموع" برٹش میوزیم میں ہے۔

۲۹۔ شہاب الدین احمد المنصوری (م ۹۱۲ھ) | اس کا دیوان آکسفورڈ میں ہے۔

۳۰۔ ابن ملیک الحموی (م ۹۱۷ھ) | اوس کا دیوان ۱۳۱۲ھ میں بیروت میں چھپا ہے۔

۳۱۔ محمد رشید الحلبی، (م ۹۳۰ھ)۔ | اوس نے اپنے معاصرین کے اشعار کا ایک مجموعہ مرتب کیا ہے، جو برلن میں ہے۔

مغلوں کے دور میں مصر و شام سے باہر کے شعراء

۱۔ صفی الدین الحلی المتوفی ۷۵۰ھ | مغلوں کے عہد حکومت میں مصر و شام سے باہر جو شعراء

پیدا ہوئے، اون میں سب سے زیادہ مشہور یہی ہے۔ اوس کا نام عبد العزیز بن سرایا ابن علی بن ابی القاسم ہے، اور صفی الدین الطائی السنبسی الحلی لقب سے مشہور ہے ۶۷۷ھ میں پیدا ہوا۔ وہ ماردین کی سلطنت ارتقیہ کا شاعر تھا۔ اور سلطان الملک الناصر کے زمانہ میں ۷۲۶ھ میں قاہرہ کا سفر کیا، اور اوس کی مدح میں متنبی کے اس قصیدہ پر جس کا مطلع یہ ہے۔

بابی الشموس الجانحات غواربا۔

ایک قصیدہ لکھا، پھر ماردین میں آیا۔ اور ۷۵۰ھ میں بغداد میں وفات پائی وہ طویل قصائد اور قطعات نہایت خوبی کے ساتھ لکھتا ہے، اور فصاحت و شستگی میں مشہور ہے۔ اوس کی تصنیفات حسب ذیل ہیں۔

(۱) دیوان۔ اوس کو اوس نے خود جمع کیا ہے، اور مختلف ابواب مثلاً فخر مدح، وصف، اخوانیات، غزل، اور مرثیہ وغیرہ پر مرتب کیا ہے، وہ ۱۲۹۷ھ میں دمشق میں اور ۱۸۹۲ء میں بیروت میں ۵۰۲ صفحات میں چھپا ہے۔ اور اوس میں اوس کی نثر اور ہزل اور تشابہ کی مثالیں بھی شامل ہیں، اوس کے قلمی نسخے یورپ کے اکثر کتب خانوں اور کتب خانہ خدیویہ میں موجود ہیں۔ اور اس میں جو ظریفانہ اشعار ہیں، اون پر ہمارے زمانہ کے لوگوں نے تنقید کی ہے، اوس کی شاعری کے متعلق عام اتفاق ہے، کہ وہ اپنے زمانہ کا سب سے بڑا شاعر ہے، شاعری میں اوس نے چند باتیں ایجاد کی ہیں، جن میں ایک موشح مضمن ہے، چنانچہ ایک موشح میں ابو نواس کے قصیدہ بائیہ کی تضمین کی ہے۔

(۲) درر [illegible] فی مدائح الملک المنصور یعنی "قصائد ارتقیات" یہ ۲۹ قصیدے حروف

تجی پر ہیں، ہر قصیدہ کے اول و آخر میں ایک حرف کا التزام کر لیا ہے، اور وہ ملک المنصور ابی الفتح بن ارتق الغازی فرمان روائے ماردین کی مدح میں ہیں، اور اس کے نسخے لیڈن، پیرس، اسکوریال اور کتب خانہ خدیویہ میں ہیں، اور ۱۸۹۳ء میں اوس کے دیوان کے ساتھ بیروت میں چھپا ہے، اس کے علاوہ ۱۳۰۳ھ میں قاہرہ میں بھی چھپا ہے۔

(۳) العاطل الحالی والمرخص الغالی۔ زجل، موالی، کان وکان اور قوما میں ہے۔ اور اس کا ایک نسخہ برلن میں ہے۔

(۴) الکافیۃ البدیعیہ۔ نعت میں ہے، اور کتب خانہ خدیویہ وغیرہ میں موجود ہے، اور ۱۸۹۳ء میں اوس کے دیوان کے ساتھ چھپا ہے۔

(۵) ایک قصیدہ صالح الارتقی کی مدح میں اس کا ترجمہ لیٹن زبان میں ہوا اور ۱۸۱۶ء میں لیپزگ میں چھپا۔

(۶) وصف الصید بالبندق۔ گولی سے شکار کرنے کا طریقہ اس میں بتایا ہے، اور چونکہ یہ طریقہ اب رائج نہیں ہے، اس لیے اس میں ایک فائدہ ہے، اوس نے اسکا نام "الخدمۃ الجلیلۃ" رکھا ہے۔ اور اس کا ایک نسخہ برلن میں ہے۔

(۷) دیوان صفوۃ الشعراء وخلاصۃ البلغاء۔ اسکوریال میں ہے،

(۸) الاغلاطی لغوی غلطیون کا معجم ہے۔ اور اسکوریال میں ہے (آداب اللغات جلد ۳ ص ۲۶۹)

عراق وخربرہ کے شعراء

(۲) امیر خلیل بن احمد بن سلیمان سیف الدین الایوبی، المتوفی ۸۳۶ھ ایوبی خاندان کا ہے، اوس کی ایک کتاب "الدر النضید" دس بابوں میں ایک مجموعہ اشعار ہے، اس کا دسواں باب ترکی میں ہے، اور اسی کا ایک نسخہ برلن میں ہے، اس کا دادا سلیمان

بھی شاعر تھا۔

(۳) علاء الدین الماردینی امیر خلیل کا شاعر ہے، اور اوس نے اس کے اور دوسروں کے متعلق نظمیں لکھی ہیں، جس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم لیڈن اور پیٹرسبرگ میں ہے

یمنی شعراء

(۴) شرف الدین جار اللہ الاناری القرشی۔ المتوفی ۸۳۷ھ اس کی تصنیفات حسب ذیل ہیں،

(۱) دیوان مفتاح باب الفرج۔ نعت میں ہے، اس میں بدیع کے تمام انواع کو لیا ہے۔ اور اس کو ایک مقدمہ، دس باب اور خاتمہ پر مرتب کیا ہے، اور بانت سعاد اور قصیدہ بردہ کے محسنات بھی اس میں شامل کیے ہیں۔

(۲) البدیعیات۔ برلن میں ہے۔

(۳) الحلاوۃ السکریہ۔ یہ سو اشعار کا جز ہے، اور اس کی ایک شرح بھی ہے جسکا نام القلادۃ الجوہریہ ہے، اور اس کا ایک نسخہ کتب خانہ خدیویہ میں ہے۔

(۴) العروض۔ یہ بھی کتب خانہ خدیویہ میں ہے۔

(۵) المتوکل علی اللہ المطہر بن محمد الامام الزیدی، المتوفی ۸۷۹ھ۔ اس کے دیوان کو اس کے بیٹے یحیی نے مرتب کیا۔ اور اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں ہے۔

(۶) ابوبکر بن عبداللہ العیدروس الیمنی المتوفی ... برلن میں ہے۔

فارس وغیرہ کے شعراء

(۷) قاضی نظام الدین الاصبہانی (...) کا دیوان جس کا نام دیوان المنشآت ہے، برٹش میوزیم میں ہے۔

۸۔ احمد بن محمد بن المعظم الرازی نے ۔۔۔ میں " المقامات الاثنی عشریہ" لکھا جس کو سلیمان الحریری نے ۱۲۸۲ھ میں پیرس سے شائع کیا۔

۹۔ فضل اللہ بن الحمید الزورنی الاصل الصینی المولد ۔۔۔ میں :-

(۱) بطرز المجدیات الابیوردی کی طرح ۲۹ صفون میں البغیات فی الحکم کو نظم کیا۔

(۲) کفایۃ الکافیہ۔ کافیہ ابن الحاجب کی شرح لکھی، اور یہ دونوں کتابیں کتب خانہ خدیویہ میں ہیں۔

۱۰۔ ہندو شاہ بن سنجر الصاحبی الکیرانی آٹھوین صدی کا آدمی ہے، اور اوس کی کتاب "موارد الادب" برٹش میوزیم میں ہے۔

۱۱۔ جنید بن محمود۔ مظفر الدین شاہ یحیی سلطان کرمان کیلئے ۔۔۔ میں کتاب "حدائق الانوار۔ وبدائع الاشعار" لکھی جس کا ایک نسخہ پیرس میں ہے۔

۱۲۔ اختیار الدین بن غیاث الدین الحسینی قاضی ہرات المتوفی ۔۔۔ کی تصنیفات یہ ہیں

(۱) کتاب اساس الاقتباس یہ آیات، احادیث، حکم، امثال وغیرہ کا مجموعہ ہے، اوس نے کو ابواب وفصول پر منقسم کیا ہے، جن کا نام کلمات "اسطر" اور احرف "مختلف حالات کے لحاظ سے رکھا ہے، غرض یہ اون باتون کا مجموعہ ہے، جو خلفاء وسلاطین کیلئے کہی جاتی ہیں۔ یا وہ مواعظ وحکم جو پسند کیے جاتے ہیں، اوس سے انشاء ورسائل کے لکھنے میں مدد لیجا سکتی ہے۔ اور وہ ۱۲۹۸ھ میں قسطنطنیہ میں چھپ گئی ہے۔

(۲) مقامات الحسینی فی نور عثمانیہ۔

مغربی شعراء

۱۳۔ برہان الدین بن زقاعہ المتوفی ۸۱۶ھ۔ اوس کے دینی اور غیر دینی اشعار کا دیوان

پیٹرسبرگ اور برلن میں ہے۔

۱۴۔ شہاب الدین احمد بن محمد بن الخلوف التونسی المتوفی ۸۹۹ھ سلطان عثمان حفصی کا شاعر ہے، اور اس کی تصنیفات یہ ہیں۔

(۱) دیوان ہے۔ جو حروف تہجی کے مطابق مرتب کیا گیا ہے، اوس کے نسخے برلن، لیڈن، پیرس اور پیٹرسبرگ میں ہیں، اور وہ بیروت میں ۱۸۷۳ء میں چھپا ہے، دوسرا

(۲) موشح ہے جو برلن میں ہے۔

۱۵۔ شہاب الدین القسطینی المتوفی ۔۔۔ اوس کا دیوان وائنا میں ہے

اندلسی شعراء

۱۶۔ ابن مقاتل المالقی المتوفی ۷۳۹ھ اوس کے ازجال برلن میں ہیں

۱۷۔ ابن خاتمۃ الانصاری المتوفی ۔۔۔ مریہ کا باشندہ تھا، اوس کی تصنیفات ہیں۔

(۱) دیوان اسکوریال میں ہے۔

دوسری کتاب (۲) رائق الحلیہ فی فائق التوریہ ایک مجموعۂ اشعار ہے، جو اسکوریال میں ہے

تیسری کتاب (۳) تحصیل غرض القاصد فی تفصیل مرض الواصل برلن میں ہے۔

۱۸۔ ابو عبید اللہ بن زمرک لسان الدین بن خطیب کا شاگرد ہے، اور اون کے بعد اونکی جگہ پر وزیر ہوا۔ اوس کا ایک قصیدہ برلن میں ہے۔

۱۹۔ ابو الحسن سلام الاشبیلی البابلی۔ المتوفی ۷۳۹ھ اس کی ایک کتاب "الذخائر والاعلاق فی آداب النفوس ومکارم الاخلاق" ۱۲۹۸ھ میں مصر میں چھپی ہے۔

استدراک

مولانا شیخ حیدر حسن خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

از مولانا مجیب اللہ ندوی

ندوہ کے فضلا نے فکری و علمی اعتبار سے جن شخصیتوں اور اساتذہ کا سب سے زیادہ اثر قبول کیا اور ان کے فیضِ صحبت سے وہ علم و فضل میں ممتاز حیثیت کے مالک ہوئے ان میں علامہ شبلی کے علاوہ چار پانچ شخصیتیں ممتاز ہیں، یعنی مولانا سید سلیمان ندوی، شیخ تقی الدین ہلالی، مولانا حفیظ اللہ صاحب، مولانا حیدر حسن خان صاحب، مولانا شبلی صاحب فقیہ اور مولانا شاہ حلیم عطا صاحب وغیرہ۔

استاذ محترم مولانا عبد السلام قدوائی ندوی نے مولانا حیدر حسن خانصاحب پر جو مفصل مضمون معارف کی تین قسطوں میں لکھا ہے وہ اتنا جامع ہے کہ اب اس میں مزید اضافہ کی ضرورت نہیں ہے، حیاتِ شبلی کے بعد علامہ شبلی پر تو کچھ لکھنے کی کم ہی گنجائش ہے، البتہ دوسرے اساتذہ کے حالاتِ زندگی اور ان کے علمی کارناموں پر تفصیل سے کچھ لکھ دینے کی ضرورت ہے تاکہ ندوہ کی تاریخ میں ان کے مقام کی صحیح تعیین ہو سکے۔

راقم الحروف نے مولانا شبلی فقیہ پر ان کی وفات دسمبر ۱۹۴۵ء کے بعد ہی ایک مختصر مضمون معارف میں لکھ دیا تھا اب مولانا شاہ حلیم عطا صاحب پر کچھ لکھنے کا ارادہ ہے جن کا سید صاحب کے بعد راقم الحروف پر سب سے زیادہ علمی احسان ہے، استاذ محترم

مولانا عبد السلام صاحب ندوی نے مولانا حیدر حسن خان صاحب کے سلسلہ میں جو کچھ لکھ دیا ہے، اس پر مشکل ہی سے کچھ اضافہ ہو سکتا ہے،

شیخ سے جتنا تعلق مولانا کو ہے ان کے تمام شاگردوں میں کم ہی لوگوں کو ہے، ان کا سارا بیان شنیدہ نہیں بلکہ دیدہ ہے، اس لیے وہ سب سے زیادہ قابلِ اعتماد ہے تاہم ان میں دو تین باتیں مزید تحقیق طلب ہیں، میں نے مولانا کی توجہ اس طرف مبذول کرائی اور چاہا کہ وہ خود ہی اس کی مزید وضاحت فرما دیں مگر مولانا نے اپنی وسعتِ ظرف کی بنا پر مجھے ہی لکھنے کا حکم دیا، جو ذیل میں پیش ہے،

مولانا نے مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی اور نواب صدیق حسن صاحب مرحوم کے ذکر میں نزہۃ الخواطر کے بیان پر اعتماد کر کے مولانا سید نذیر حسین محدث کے سن ولادت اور ان سے نواب صدیق حسن خاں مرحوم کے تلمذ کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے اس کی تصدیق دوسرے بیانوں سے نہیں ہوتی۔

مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کے سن ولادت کے سلسلہ میں عون المعبود کے مصنف لکھتے ہیں[1]

ولد فی وطنه سورج گڈھ من مضافات البهار سنة عشرين بعد الالف والمائتين وقيل سنة خمس وعشرين و الاول اصح

مولانا نذیر حسین صاحب اپنے وطن سورج گڈھ میں جو بہار کے دیہاتوں میں ہے ۱۲۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور ان کی ولادت ۱۲۲۵ھ میں بتائی گئی ہے مگر پہلا بیان زیادہ صحیح ہے،

---

[1] عون المعبود ج ۱ ص ۳ مقدمہ کتاب۔

دا کا و ک اصح لکھنے کے بعد بعض ثقات کا زبانی بیان اور تحریری حوالہ بھی نقل کیا ہے، پھر انھوں نے مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادی کا بیان جو انھوں نے ان کی شرح غایۃ المقصود سے نقل کیا ہے، جس میں انھوں نے اپنی لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ گمان ہے ۱۲۲۵ھ[1] میں ان کی ولادت ہوئی،

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ ان کی ولادت ۱۲۲۵ھ میں نہیں بلکہ ۱۲۲۰ھ میں ہوئی۔

مولانا اسی مضمون میں نواب صدیق حسن خان صاحب کے اساتذہ کے ذکر میں مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کا نام بھی لیا ہے مگر سیرت والاجاہی موسوم بہ مآثر صدیقی سے پتہ چلتا ہے کہ نواب صاحب انکے شاگرد نہیں تھے البتہ ان سے ملاقات ہوئی تھی اور صحبت میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا تھا، سیرت والاجاہی کے مصنف نواب علی حسن خان صاحب لکھتے ہیں۔

(نواب صاحب نے) مولوی سید نذیر حسین صاحب کو دیکھا مگر اتفاق صحبت کم ہوا۔[2] (ج ۲ ص ۱۵)

---

[1] میں نے اس قسم کے بیانات کی بنیاد پر ۱۲۲۵ھ لکھا ہے زیادہ تحقیق نہیں کی (ع ق)

[2] یہی صحبت تھی جسے شاگردی کہلاتی تھی، قاضی ابو یوسف اور امام محمد امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں ان کی اس شاگردی کو صاحب ابی حنیفہ کے الفاظ سے بیان کیا جاتا ہے نواب صاحب کو میاں صاحب کی مجلس میں استفادہ کی بنا پر بعض لوگوں نے شاگرد کہہ دیا ہے، انھوں نے باضابطہ ان سے سبق نہیں پڑھا تھا، (ع ق)

ادبیات

غزل

از جناب چندر پرکاش جوہر بجنوری

غم نہیں، آہ نہیں، سوز نہیں، ساز نہیں
عشق خود راز تو ہے پردۂ در راز نہیں

چھیڑ دوں تذکرۂ عشق جہاں سے چاہوں
یہ وہ افسانہ ہے جس کا کوئی آغاز نہیں

آہ کرتا ہوں تو اس خوف سے کانپ اٹھتا ہوں
کہ زمانہ تو کہیں گوش بر آواز نہیں

آج بھی یوں تو نہیں جوش محبت میں کمی
ہاں مگر دل کے تڑپنے کا وہ انداز نہیں

کون منزل ہے مری دسترس شوق سے دور
صحن گلشن ہی مرا عالم پرواز نہیں

اس قدر ہو گئے مانوس قفس اے جوہر
اب ہمیں شکوۂ کوتاہی پرواز نہیں

جذبات سالک

از جناب سالک رحمانی

جلوۂ حسن ہے کیا ہوشربا الا اللہ
کھو گئے راہ میں ارباب وفا الا اللہ

طبع آذر نے تراشے ہیں ہزاروں اصنام
اپنے آذر کا مگر ایک خدا الا اللہ

عشق ہر گام بہ یک سیر ہے منزل بکنار
قافلہ عقل کا بے بانگ درا الا اللہ

ہوں اگر قلب و جگر سوز یقیں سے محروم
گرمی فکر و عمل عین خطا الا اللہ

زیست اک موجۂ گرداب فنا تھی لیکن
چشم ساقی نے دیا جام بقا الا اللہ

کون اب محرم اسرار جنوں ہے سالک
شش جہت سے یہی آتی ہے صدا الا اللہ

مطبوعات جدیدہ

تذکرہ علمائے مبارکپور - مرتبہ- مولانا قاضی اطہر مبارکپوری، تقطیع متوسط، کاغذ کتابت وطباعت قدرے بہتر صفحات ۲۹۲ مجلد مع گردپوش قیمت عہ/ پتہ سلمان وحسان، دائرہ ملیہ مبارکپور- اعظم گڈھ- یو- پی

ہمارے ضلع اعظم گڈھ کے مردم خیز قصبات میں مبارکپور بھی ہے- جو پارچہ بافی کی صنعت کے علاوہ ہر دور میں علم وفن کا بھی مرکز رہا ہے، اب بھی یہاں ہر طبقہ ومسلک کے مدارس اور اہل علم موجود ہیں، مولانا قاضی اطہر مبارک پوری کو شیراز ہند جون پور کی تاریخ سے شغف اور وہ وقتاً فوقتاً مضامین لکھتے رہتے ہیں، اب انھوں نے سرکار جون پور میں شامل اپنے خاص وطن مبارکپور اور اس کے مضافات کے مرحوم علماء ومشائخ کا یہ تذکرہ لکھا ہے، شروع میں قصبہ اور اس کے قریب کی اہم بستیوں کی مختصر علمی ودینی تاریخ تحریر کی گئی ہے- لائق مصنف نے مختلف عقیدہ وخیال اور ہر مسلک کے مصنفین، مدرسین، شعراء اور بزرگوں کے حالات لکھے ہیں، شیعہ اور اسماعیلی فرقے کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے- حضرت شاہ ابو الغوث گرم دیوان، انکے فرزند شاہ ابو اسحق محدث لہراوی، اور مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی اور کئی دوسرے ممتاز علماء و صوفیا کے ذکر جمیل سے یہ کتاب مزین ہے- حکیم مولانا محمد احمد لہراوی رحؒ کے متعلق لکھا گیا ہے کہ "لہرا میں انتقال فرمایا" حالانکہ انکا انتقال مدرستہ الاصلاح سرائے میر کے اطراف میں راجہ پور سکرور نامی گاؤں میں ہوا تھا- راقم خود جنازہ میں شریک تھا- ان کی تصنیفات میں قواعد الولدان کا ذکر نہیں کیا گیا ہے- مصنف کا دارومدار سماعی واقعات پر ہے- اس لئے دوسرے تذکروں میں بھی اس طرح سہو کا امکان ہے- مولانا شبلی ندوی مرحوم کے بارے میں تحریر کیا گیا ہے کہ "ان کے دور میں ضلع کے تین شبلی ندوہ سے فارغ ہوئے، اس لیے ان کو متکلم کے نام سے یاد کیا گیا" جبکہ باقی دونوں شبلی ندوہ کے فارغین میں نہ تھے، علامہ شبلیؒ اُس کے معتمد تعلیم اور موسسین میں اور مولانا شبلی فقیہ جیراجپوری ممتاز اساتذہ میں تھے، تذکرہ کی ابتدا ملک شہدائی سے کی گئی ہے- اور ان کو سپہ سالار مسعود غازیؒ (م ۴۲۴ھ) کا ہمعصر قرار دیا گیا ہے- راقم کو ایک معتبر شخص نے رسالہ عاشقیہ (قلمی) کے حوالہ سے بتایا کہ وہ میر علی عاشقان سرائے میری (م ۹۵۵ھ) کے مرید تھے، کہیں کہیں مصنف کا قلم خود ستائی سے بھی آلودہ ہوگیا ہے، مگر ان باتوں سے قطع نظر یہ کتاب تلاش ومحنت سے لکھی گئی ہے- اور اس کیلئے مصنف اپنے ہم وطنوں کی تبریک وتحسین کے مستحق ہیں۔

العرب والہند فی عہد الرسالۃ (عربی) مترجمہ جناب عبد العزیز عزت عبد الجلیل صاحب متوسط تقطیع، کاغذ عمدہ خوبصورت ٹائپ، ۱۴۰ صفحے قیمت ۳۵ قرش ناشر الہیئۃ العامتہ المصریہ للکتب، مصر۔

مولانا قاضی اطہر مبارک پوری نے "عرب وہند عہد رسالت میں" کے نام سے جو کتاب اردو میں لکھی تھی، اب اس کا اُن کے ایک مصری دوست عبد العزیز عزت جلیل نے عربی ترجمہ کرکے شائع کیا ہے، اس میں دور رسالت میں عرب وہند کے تجارتی تعلقات، اس زمانہ میں عرب جانے والی ہندوستانی مصنوعات اور مروج اشیا وہاں آباد ہندوستانی قوموں اور اُن کی بستیوں اور اُن کے مذہبی عقائد اور اُن کو اسلام کا پیغام دیئے جانے کا ذکر ہے، اور ہند واہل ہند سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واقفیت، دربار رسالت میں آنیوالے ہندو راجاؤں کے وفود وہدایا اور دونوں ملکوں کی زبان

کے توارد کی بعض مثالیں بھی دی گئی ہیں، اور ضمناً راجہ سرباتک اور رتن ہندی کے صحابی ہونے کی تردید کی گئی ہے، یہ کتاب کے مباحث کا اجمالی خلاصہ ہے، اصل اردو اڈیشن پر چند سال پہلے معارف میں مفصل تبصرہ ہو چکا ہے،

مسعود عالم ندویؒ ۔ مرتبہ جناب اختر راہی صاحب ایم۔اے متوسط تقطیع کاغذ کتابت وطباعت بہتر صفحات ۲۰۰، قیمت تے ۔ پتہ ۔ مکتبہ ظفر ناشر قرآنی قطعات، گجرات، محلہ فیض آباد سرگودھا روڈ، پنجاب (پاکستان)

مولانا مسعود عالم مرحوم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لائق فرزند اور جماعت اسلامی کے پرجوش کارکن تھے، ان کی وفات کے بعد ماہنامہ چراغ راہ کراچی نے ان کی یادگار میں ایک خاص نمبر شائع کیا تھا، اب ان کے چوبیس خطوط کا یہ مجموعہ شائع کیا گیا ہے، اس کے شروع میں مرتب کے قلم سے مولانا کے حالات و سوانح اور علمی و تصنیفی کارناموں کے متعلق ایک مضمون بھی ہے۔ ایک اور مضمون مولانا کے ہم وطن اور بے تکلف دوست مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی کا ہے، مگر یہ بہت مختصر ہے، مرحوم کے ایک اور بڑے قریبی دوست مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے عرصہ ہوا اُن پر ایک سیر حاصل مضمون تحریر کیا تھا، اگر وہ بھی اس مجموعہ میں شامل کر لیا جاتا تو اس کتاب کی قدر و قیمت دوچند ہو جاتی۔ مرتب نے مکتوبات میں درج ناموں اور وضاحت طلب باتوں کی توضیح کے لیے حواشی بھی لکھے ہیں۔ اور آخر میں جملہ مکتوب الیہم کا مختصر تعارف بھی دیا گیا ہے۔ مگر بعض ناموں کے متعلق حواشی میں کوئی نوٹ نہیں دیا گیا ہے۔ اور کہیں کہیں ان میں غلطی بھی ہو گئی ہے جیسے ص ۴۰ پر سعید احمد سے مولانا سعید احمد اکبرآبادی اڈیٹر برہان مراد ہیں نہ کہ مولانا احمد سعید دہلوی مرحوم، اسی طرح ص ۸۰ پر شبلی سے مکتوب نگار کے ایک شاگرد اور ندوہ کے طالب علم مراد ہیں جو غالباً ۱۹۳۳ء میں وہاں سے فارغ ہوئے تھے نہ کہ مولانا شبلی فقیہ مدرس ندوہ، مکتوب

نگار کی بعض روایوں میں شدت پسندی ہے اور بعض ان کی پختگی کے زمانہ سے پہلے کی ہیں ان سب کو قلم انداز کر دینے کی ضرورت تھی۔

اردو کے ادبی معرکے مرتبہ جناب امیر حسن نورانی صاحب تقطیع خورد، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، صفحات ۲۴۰ قیمت [illegible] پیسے ناشر نسیم بکڈپو، لاٹوش روڈ، لکھنؤ

اس کتاب میں اردو کے معاصر شعراء کی نوک جھونک اور معرکہ آرائی کے دلچسپ واقعات مستند تذکروں کی مدد سے لکھے گئے ہیں، ہر دور کے ممتاز شاعروں جیسے میرؔ و سوداؔ، انشاؔ و مصحفیؔ، غالبؔ و ذوقؔ، آتشؔ و ناسخؔ اور انیسؔ و دبیرؔ میں معاصرانہ چشمک رہی ہے، مصنف نے اس کو اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے، سوداؔ کی فاخر مکین اور ذوقؔ کی شاہ نصیر سے نوک جھونک کا علحدہ عنوانوں سے ذکر کیا گیا ہے۔ انشاؔ کی طبیعت میں بڑی شوخی تھی، ان کی ساری ذہانت ہی اسی میں ضائع ہوتی رہی، وہ اپنے سے کمتر درجہ کے شاعروں سے بھی الجھتے اور اکثر ابتذال اور پھکڑپن پر اتر آتے تھے۔ چنانچہ مصحفیؔ کے علاوہ جرأتؔ، عظیمؔ، فائقؔ اور قتیلؔ سے بھی ان کی چھیڑ چھاڑ کا ذکر کیا گیا ہے، آخر میں بیسویں صدی کے مشہور ادبی معرکہ چکبست و شرر کا خلاصہ دیا گیا ہے، شروع میں اردو کے ادبی معرکوں کا پس منظر اور معاصرانہ نوک جھونک کے بعض متفرق واقعات بیان کئے گئے ہیں کلام مجید کی آیتوں کے نقل میں صحت کا زیادہ خیال نہیں رکھا گیا ہے، ص ۶۰ پر بلعم بن باعور کا نام بلیم باعور لکھا گیا ہے جو غلط ہے۔

پیکر جمیل از جناب اختر بستوی صاحب، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت، وطباعت اچھی صفحات ۱۰۹، مجلد مع گرد پوش، قیمت :- عار پتہ :- مکتبہ دین و ادب نمبر ۱ لاٹوش روڈ۔ لکھنؤ،

جناب اختر بستوی خوش فکر و خوش گو شاعر ہیں، یہ اُن کے قطعات کا مجموعہ ہے، جو دو حصوں پر مشتمل ہے، پہلے حصہ میں حکیمانہ خیالات و تجربات بیان کئے گئے ہیں، اور دوسرے میں

عاشقانہ اور رنگین جذبات کی مصوری کی گئی ہے، ان قطعات میں زبان و بیان کی صفائی بھی ہے اور تشبیہ و استعارات کی دلآویزی بھی،

نظام شمسی کی پہلی تمثیلی کانفرنس: از جناب بدیع الزماں صاحب اعظمی تقطیع خورد، کاغذ کتابت طباعت بہتر، صفحات ۱۶، قیمت: ۵۰ پیسے، پتہ بدیع الزماں اعظمی، سکریٹری ایوان ادب، محلہ کرمی ٹولہ، اعظم گڈھ،

جناب بدیع الزماں اعظمی علامہ شبلیؒ کے ہم وطن اور صاحب ذوق شخص ہیں، ان کے جغرافیائی اور سائنسی مضامین مختلف رسالوں میں چھپتے رہتے ہیں، اور انھوں نے بچوں کے لئے بعض مفید کتابیں بھی لکھی ہیں، اس دلچسپ تمثیل میں سورج اور نو مشہور سیاروں نے حصہ لے کر اپنے متعلق دلچسپ انکشافات کئے ہیں، جو بچوں کے لئے معلومات افزا ہیں، یہ گذشتہ سال شبلی کالج میں اسٹیج کی جا چکی ہے، اور اس پر اردو اکاڈمی اتر پردیش نے انعام بھی دیا ہے،

مساوات اسلامی اور مسئلہ کفائت: مرتبہ مولوی سید محمد عبید اللہ بستوی قاسمی صاحب تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت اچھی، صفحات ۲۴، قیمت ۶۵ پیسے، پتہ: سید ظفر الحسن بستوی، شیشے والی مسجد، مرلی نگر، حسین گنج، لکھنؤ،

اسلام نے نکاح میں کفو کی رعایت کا جو حکم دیا ہے، اس مقالہ میں اس کی بعض وجہیں تحریر کر کے دکھایا گیا ہے، کہ یہ نہ تو اسلامی مساوات کے خلاف ہے، اور نہ ان روایتوں کے، جن میں حسب نسب کی مذمت کی گئی ہے، علاوہ ازیں حسب نسب کے علاوہ کفو کا اعتبار اور کئی باتوں میں بھی ہوتا ہے جن میں تدین و تقوی سب میں مقدم ہے، یہ مقالہ نگار کی طالب علمی کے زمانہ کی تحریر ہے، اس لئے کمزور رہ گئی ہے، "ض"